ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

19

www.tanzeem.org

8 تا 14 مئی 2012ء/16 تا 22 جمادی الثانی 1433ھ

اس شمارے میں

اعتراف جرم

سابقہ نافرمان قوموں کا انجام اور دلائل قدرت کے ذریعے انذار آخرت

محنت کشوں کا مقام

حضرت عمر بن العزیزؒ کی خلافت کی خصوصیات

محنت کش: اسلام کی نظر میں

ہم کتنے ظالم ہیں؟

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

انقلابی تربیت کے لازمی اجزا

انقلابی جدوجہد کا تیسرا مرحلہ کارکنوں کی تربیت کا ہے۔ اس مرحلے میں انقلابی جماعت کے کارکنوں کے ذہنوں سے انقلابی نظریہ ایک لحظہ کے لئے بھی اوجھل نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اسی نظریے پر تو ساری انقلابی جدوجہد کا دارومدار ہے۔ اگر وہ انقلابی نظریہ ذہنوں میں راسخ ہوگا تو عمل کا جذبہ بھی بیدار رہے گا اور اگر وہ نظریہ ہی مدھم پڑ گیا تو جذبۂ عمل بھی ختم ہو جائے گا۔

انقلابی تربیت کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ کارکنوں کو ڈسپلن کا عادی بنایا جائے کہ سنیں اور مانیں۔ بقول شاعر ؎

بے نیازی تری عادت ہی سہی!
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے

لیکن تسلیم کی خو ڈالنا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی ٹریننگ کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اس میں اپنی انا آڑے آجاتی ہے، بلکہ انا سے بڑھ کر انانیت راستے کا پتھر بن جاتی ہے۔

انقلابی تربیت کا تیسرا ہدف یہ ہے کہ تحریک کے کارکنوں میں اپنا تن، من، دھن سب قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اس کے بغیر انقلاب نہیں آسکتا۔ بقول اقبال ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں!

یہ تین تو انقلابی تربیت کے لازمی اجزاء ہیں۔ ان کے علاوہ چوتھا جزو یہ ہوگا کہ آپ انقلاب کے ذریعے سے جو نظام قائم کرنا چاہتے ہیں اس میں اگر کوئی روحانیت کا پہلو بھی مطلوب ہے تو کارکنوں کی روحانی تربیت بھی کرنا پڑے گی۔

رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

الھدیٰ (512)

سورۃ ہود

(آیات 89-90)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

اور اے قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرا دے کہ جیسی مصیبت نوحؑ کی قوم یا ہودؑ کی قوم یا صالحؑ کی قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوطؑ کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دُور نہیں۔ اور اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بیشک میرا رب رحم والا (اور) محبت والا ہے۔ (آیات:89-90)

حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کی قوم کے درمیان بحث و مباحثہ چل رہا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا، اے میری قوم کے لوگو دیکھو! تمہیں میری دشمنی اور مجھ سے بغض اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تمہارا وہی انجام ہو جائے جو پہلی نافرمان قوموں کا ہوا۔ کہ تم پر بھی اللہ کا ویسا ہی عذاب آ جائے جیسا کہ قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح علیہ السلام پر آیا تھا۔ اور قوم لوط علیہ السلام تو تم سے زیادہ بھی نہیں ہے۔ یہ چار قومیں وہ ہیں جن پر عذاب آ چکا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام سدوم اور عامورہ کے لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ نافرمانی کی وجہ سے یہ بستیاں عذاب کا شکار ہوئیں ان کا بعید نہ ہونا مکانی اور دونوں اعتبار سے تھا۔ خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ اصحاب مدین کا علاقہ تھا، حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ اس سے ذرا ہٹ کر مشرق میں بحیرہ مردار ہے جس کے ساحل کے ساتھ ساتھ یہ شہر آباد تھے۔ اعتبار سے بھی قوم لوط کا دور زیادہ دور کا نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جان بچا کر مصر سے نکلے اور مدین میں اُن کی ملاقات جس شیخ سے ہوئی اور پھر اُن کی بیٹی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی ہوگئی وہ شیخ حضرت شعیب علیہ السلام تھے اگرچہ مجھے اس سے سخت اختلاف ہے۔ مجھے ان لوگوں کی رائے سے اتفاق ہے جو اسے ممکن نہیں سمجھتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آیا تھا اس کے اور کچھ بچے کھچے لوگ وہاں آباد تھے۔ ان میں کوئی نیک آدمی تھا جسے شیخ مدین کہا گیا ہے اور اُسی کی بیٹی سے موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا تھا۔ بہر حال یہاں نکتہ یہ ہے کہ بعض اوقات کسی کی ذاتی دشمنی اور بغض کی وجہ سے انسان مخالفت پر کمر بستہ ہو کر نتیجے سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ نتیجے کے طور پر وہ ضدم ضدا میں اُس کا تو کچھ نہیں بگاڑتا بلکہ خود اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا ہے۔ تو یہاں بتایا جا رہا ہے کہ لوط علیہ السلام نے انہیں متنبہ کیا کہ میری دشمنی میں کہیں تم لوگوں پر وہ عذاب نہ آ جائے جو پہلی قوموں پر آیا تھا۔ اور دیکھو اپنے رب سے استغفار کرو۔ پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ اس کی اطاعت کرو یقیناً میرا رب رحیم بھی ہے اور محبت فرمانے والا بھی ہے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مسلمان بھائی کی عزت و آبرو کی حفاظت وحمایت

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِ ﷺ قَالَ: ((مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَه)) (رواہ البغوی فی شرح السنہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت و حمایت کر سکتا ہو اور کرے (یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والے کو اس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مداخلت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا۔ اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت وحمایت نہ کرے (نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے نہ جوابدہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو اس کی کوتاہی پر پکڑے گا (اور اس کی سزا دے گا)۔

تشریح: اس حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک بندۂ مسلم کی عزت و آبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے، اور دوسرے مسلمانوں کے لیے اس کی حفاظت وحمایت کس درجہ کا فریضہ ہے، اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے۔ افسوس ہے کہ ہدایتِ محمدی ﷺ کے اس اہم باب کو امت نے بالکل ہی فراموش کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ ہمارے اُن اجتماعی گناہوں میں سے ہے جن کی پاداش میں ہم صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں، ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ | لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

8 تا 14 مئی 2012ء — جلد 21
16 تا 22 جمادی الثانی 1433ھ — شمارہ 19

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان

انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

اعترافِ جرم

پاکستان کے وزیر دفاع احمد مختار کا یہ بیان اخبارات کی زینت بنا ہے کہ حکومت اور فوج نے اسامہ بن لادن کو ہلاک کرنے میں مدد کی تھی۔ اسامہ بن لادن اکثر مذہبی جماعتوں اور مذہبی رجحانات رکھنے والے افراد کے نزدیک ایک مسلمان مجاہد تھے اور تمام زندگی اسلام دشمن قوتوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ اگر سانحۂ ایبٹ آباد کوئی حقیقت ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور کی سب سے بڑی اسلام دشمن قوت کے ہاتھوں انہوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ جبکہ سیکولر عناصر انہیں ایک انسان دشمن دہشت گرد قرار دیتے ہیں اور نائن الیون کے حادثہ میں ضائع ہونے والی انسانی جانوں کا انہیں قاتل گردانتے ہیں۔ اسامہ بن لادن کے کردار کے حوالہ سے ہم بعد میں عرض کریں گے' فی الحال ہم فرض کرتے ہیں کہ اسامہ بن لادن کے بارے میں سیکولر عناصر کا فرمودہ درست ہے' وہ انسانیت کے دشمن تھے اور ہزاروں معصوم افراد کا خون ان کی گردن پر تھا' اور اپنے جغت فروش وزیر دفاع کے بیان کا جائزہ سیکولرازم اور اس کے زیرِ سایہ قائم دنیا بھر میں قائم جمہوری ممالک کے آئینی' قانونی اور اخلاقی اصولوں اور ضوابط کے تحت لیتے ہیں۔

وزیر دفاع کا بیان واضح اور غیر مبہم ہے کہ اسامہ کو امریکہ نے ہلاک کیا تھا اور ہماری عسکری و سیاسی قیادت نے اُس کی عملی مدد کی تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کے بیان سے ہم پر واضح ہو گیا کہ کیوں صدر زرداری نے 2 مئی 2011ء کے اس سانحہ کے فوری بعد ایک امریکی اخبار میں اس کارروائی کی تحسین کی تھی اور کیوں امریکی صدر نے اس آپریشن کے فوری بعد امریکی قوم کو اسامہ کی ہلاکت کی خوشخبری سناتے ہوئے پاکستان کی حکومت کی حمایت کا اشارہ دیا تھا اور کیوں ہمارے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے اس امریکی آپریشن پر ردِعمل دیتے ہوئے اس کو عظیم فتح قرار دیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سیکولرازم کے سائے تلے بنی ہوئی دنیا کی کسی اور جمہوری ریاست نے اپنے وجود پر حملہ کی کبھی حمایت کی یعنی اپنے گھر پر بیرونی حملہ آور کو کسی بھی اچھے بُرے اپریشن کی نہ صرف حمایت بلکہ اجازت بھی دی ہے۔ اتنی ڈھٹائی سے اپنی ہی آزادی اور خود مختاری کا جنازہ نکالنے والو اور اعترافِ جرم کرنے والو! اگر اسامہ مجرم ہی تھا تو کیا پاکستان کی سیکیورٹی فورسز پولیس' رینجرز اور فوج ایک شہر کی کسی عمارت سے جس کے باہر دو چار سیکیورٹی گارڈز کھڑے ہوں گے اور جس کے اندر زیادہ سے زیادہ آٹھ یا دس مسلح افراد ہوں گے' امریکی ہیلی کاپٹروں کی مدد کے بغیر ایک شخص کو زندہ یا مردہ گرفتار نہیں کر سکتی تھی۔ ہم نے امریکہ کو خود دعوت دی یا اس کے ساتھ مل کر منصوبہ بندی کی اور ''کارنامہ'' یہ سرانجام دیا کہ محض ایک شخص کو ہلاک کیا۔ کیا اس ایک شخص کی ہلاکت کے لیے جو کسی جنگل یا صحرا میں گم نہیں ہوا تھا بلکہ ہنستے بستے شہر میں مقیم تھا' اسے گرفتار کرنے کے لیے ہم نے اپنی زمینی اور فضائی حدود کو قوم کے دشمن اور حکومت کے دوست امریکہ سے پامال کرا دیا۔ گویا آپ دنیا کو بتا رہے ہیں کہ ہم اتنے کمزور' بے بس' بزدل اور نا اہل ہیں کہ کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ وہ پاکستان کے شہر میں فلاں عمارت میں مقیم ہے اسے گرفتار کرنے یا ہلاک کرنے کے لیے غیر ملکی قوت کے محتاج ہیں۔ ہم اپنی آزادی اور خود مختاری کے تہہ و بالا ہونے کا خوشی سے اعتراف کر رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حکمران تو ہمیں نا قابل اصلاح نظر آتے ہیں حیف ہے اس قوم پر بھی جو ایسے حکمرانوں کی گردن پر ہاتھ ڈالنے سے اب تک گریزاں ہے۔ اس سے بڑی ملک و قوم سے کیا غداری ہو گی اور اس اعترافی بیان پر بھی اگر آئین اور قانون حرکت میں نہیں آتے اور آئین کی دفعہ 6 کا اطلاق نہیں ہوتا تو پھر کوئی کون سا جرم کرے گا کہ اس قانون کی زد میں آ سکے گا۔ وزیر دفاع نے حکومت کے ساتھ ساتھ فوج کا ذکر بھی کیا ہے۔ فوج کی طرف سے ابھی کوئی تصدیق یا تردید نہیں ہوئی' لیکن واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ جان بوجھ کر فوج کو اس میں ملوث کرنے کی کوشش

کی گئی ہے۔اس لیے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ 2 مئی 2011ء کا سانحہ فوج کے لیے بڑی شرمندگی کا باعث بنا۔ ہر سطح پر اس کی کارکردگی اور اہلیت پر شدید حملے ہوئے اور یہ حادثہ فوج اور امریکہ کے درمیان تنازعہ کا باعث بنا۔ اور اس وقت سے اب تک یہ تعلقات خراب سے خراب تر ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ سلالہ چیک پوسٹ کے سانحہ کے بعد فوج نے نیٹو کی زمینی سپلائی مکمل طور پر بند کر دی جو تقریباً چھ ماہ سے بند پڑی ہے اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اگر اس میں فوج بھی ملوث تھی تو اس نے ڈاکٹر شکیل آفریدی کو اس جرم میں گرفتار کیوں کیا کہ اس نے اسامہ کی موجودگی کا سراغ لگا کر امریکہ کو مطلع کیا' اس پر غداری کا مقدمہ کیوں درج کروایا؟ اور امریکہ فوج پر زبردست دباؤ کیوں ڈال رہا ہے کہ ڈاکٹر آفریدی کو رہا کر کے امریکہ آنے کی اجازت دی جائے اور امریکہ میں اسے ہیرو کا درجہ کیوں دیا جا رہا ہے۔ بہر حال خود فوج ہی کو اس حوالہ سے وضاحت کرنا ہوگی' وگرنہ وہ بھی شریک جرم سمجھی جائے گی۔

آخر میں ہم اسامہ بن لادن کے بارے میں اپنا موقف واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اسامہ دردِ دل رکھنے والے' نیک خصلت مسلمان اور اسلام کے مجاہد تھے' جو مسلمانوں کو سرخ وسفید دونوں قسم کے سامراج کی غلامی سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ جب روسیوں نے افغانستان کی آزادی کو پامال کیا تو وہ روسیوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور جب امریکہ نے مختلف مسلمان ممالک میں فوج اتاری اور افغانستان کی آزادی کو تار تار کیا تو وہ امریکیوں کے دشمن بن کر سامنے آئے۔ حقیقت میں وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے دشمن تھے۔ کسی کو ان کے طریق کار سے اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ وہ انسان تھے اور معصوم عن الخطا نہیں تھے لیکن دین اسلام کے لیے ان کی مخلصانہ جدوجہد اور مسلمانوں کے لیے اپنے دل میں جو تڑپ وہ رکھتے تھے اس کا کوئی غیر جانبدار اور غیر متعصب شخص انکار نہیں کرسکتا۔ ہم پھر اس بات کا اعادہ کریں گے کہ ان کے فکر اور اسلام کے غلبہ کے حوالہ سے ان کے طریقہ کار پر کسی شخص کو اختلاف ہوسکتا ہے' لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نیک نیت اور مخلص مجاہد اسلام تھے اور کفار کی غلامی انہیں کسی صورت قبول نہیں تھی۔ اسی مشن کے لیے انہوں نے شاہانہ زندگی اور دنیوی عیش وعشرت سے منہ موڑا اور پہاڑوں اور صحراؤں میں اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کو جاری رکھا اور اسی مشن کی تکمیل میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اس خبر سے ہماری نظروں میں ان کی قدر ومنزلت میں مزید اضافہ ہوا ہے کہ وہ اپنے جہاد اور قتال کا رخ صرف کفار کی طرف رکھنا چاہتے تھے اور مخالفانہ نقطہ نظر رکھنے والے مسلمانوں سے ٹکراؤ سے گریز کی تلقین کرتے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل وغارت پر شدید برہمی کا اظہار کرتے تھے۔ اس بات کی تصدیق ان دستاویزات سے بھی ہوئی ہے جو ایبٹ آباد میں ان کے کمپاؤنڈ سے ملی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ!

☆☆☆

بیادِ مجلس اسرار احمدؒ

عبادت کا مفہوم

سورۃ الذاریات کی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میں نے جنات اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔''

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت جو قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں بڑی تفصیل سے بیان ہوئی ہے، وہ یہی تھی کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس عبادت کے لفظ کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ صدیوں کے زوال اور تنزل کی وجہ سے ہمارے ذہنوں میں یہ تصور قائم ہو گیا کہ عبادت سے مراد محض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ یہ تصور نہ صرف محدود بلکہ مسخ شدہ بھی ہے۔

عبادت کا لفظ عبد سے بنا ہے۔ عبد غلام کو کہتے ہیں۔ فارسی میں اس کے لیے لفظ بندہ ہے۔ بندہ یا غلام دراصل اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے۔ اس کے کوئی حقوق نہیں ہوتے۔ اسے ملازم پر قیاس نہ کریں۔ ملازمت تو مقررہ اور محدود اوقات کے لیے کافی ہوتی ہے، جس میں کام کی نوعیت کا بھی تعین کر دیا جاتا ہے جبکہ غلامی ہمہ وقت اور ہمہ جہت ہوتی ہے۔ جو حکم دیا جائے اسے پورا کرنا لازم ہوتا ہے۔ غلام کو آقا اگر رہنے کے لئے کوٹھڑی اور سونے کے لیے چارپائی دے دے تو وہ ان اشیاء کا مالک نہیں بن جاتا۔

آج ہم پر غلامی اور بندگی کا یہ مفہوم واضح نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ عبادات ہیں لیکن وہ کون سی عبادت ہے، جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا۔ ہم نماز چوبیس گھنٹے تو نہیں پڑھتے رہتے، روزے بارہ مہینے تو نہیں رکھتے، حج ہر سال تو نہیں کرتے! ہمہ تن اور ہمہ وقت عبادت دراصل دو چیزوں سے عبارت ہے۔ پہلی چیز کلی اطاعت ہے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ بندگی ہے۔ لیکن ایک بندگی مجبوری کی حالت میں ہوتی ہے۔ مصر میں بنی اسرائیل کی حالت کو بیان کرنے کے لیے قرآن مجید میں دو جگہ ''عبادت'' کا لفظ آیا ہے۔ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں تشریف لائے تو اس نے بڑے مضحکہ خیز انداز میں کہا کہ ''ان کی قوم تو ہماری عابد (عبادت گزار) ہے۔'' یہاں لفظ عبادت بمعنی اطاعت ہی استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ جبری اور زبردستی کی اطاعت تھی۔ اللہ کی اطاعت، عبادت تب بنے گی جب یہ دلی آمادگی سے اور محبت کے جذبے سے کی جائے۔ جب ہم انگریز کے غلام تھے تو اگرچہ اس کی اطاعت کرنے پر مجبور تھے لیکن اس سے محبت ہرگز نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ کی عبادت میں اطاعت اور محبت دونوں چیزیں شامل ہوں گی۔ حافظ ابن قیمؒ نے عبادت کی جو تعریف کی ہے، اس کے مطابق عبادت دو چیزوں کو جمع کرنے سے بنتی ہے: اللہ سے انتہا درجے کی محبت اور انتہا درجے میں اللہ کے سامنے بچھ جانا۔

(''بصائر منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ'' سے ماخوذ)

☆☆☆

سابقہ اقوام کا رسولوں کو جھٹلانے کا انجام اور
دلائل قدرت کے ذریعے انذارِ آخرت

سورۃ الذاریات کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 27 اپریل 2012ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ الذاریات کی آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! سورۃ الذاریات ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ اس کی آیات 1 تا 23 پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اب ہمیں آیات 24 تا 60 کا مطالعہ کرنا ہے۔ اس سورت کا اصل مضمون ہے اثبات آخرت اور اس کے حوالے سے انذار، خبردار کرنا ہے۔ پہلے رکوع میں اس حوالے سے چند قسمیں آئی تھیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ جس دن کا تم سے وعدہ ہوا ہے وہ آکر رہے گا، اور جزاوسزا ہو کر رہے گی۔ یہ سب سے بڑی حقیقت ہے۔ آگے اس کے لیے مختلف انداز سے دلائل و براہین بیان ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے عقل و فطرت میں موجود اشارات کا بیان ہے۔ پہلا رکوع انہی مباحث پر مشتمل ہے۔ دوسرے رکوع میں سابقہ پانچ رسولوں کی قوموں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے، جن پر عذاب آیا اور وہ ہلاک ہوئیں۔ اس میں دراصل قریش کے لیے پیغام یہ ہے کہ اگر تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو نظر انداز کیا اور آپؐ کی بات نہ مانی اور تکذیب پر اڑے رہے تو پھر کوئی دن کی بات ہے جب اللہ کا عذاب تمہیں بھی آپکڑے گا۔ تم اللہ کے اس فیصلے سے مستثنیٰ نہیں ہو۔ فرمایا:

(ترجمہ) ’’بھلا تمہارے پاس ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی سلام کہا (دیکھا تو) ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان۔ تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے۔ (اور کھانے کے لئے) ان کے آگے رکھ دیا۔ کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ اور دل میں ان سے خوف معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت بھی سنائی۔‘‘ (آیات 24 تا 28)

جب اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت دینے آئے تو انہیں سلام کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کا جواب سلام سے دیا۔ لیکن ساتھ ہی دل میں خیال آیا کہ یہ لوگ کچھ اجنبی سے نظر آتے ہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے ذرا بھی دیر نہ کی، فوراً گئے اور ایک تلا ہوا بچھڑا اُن کی ضیافت کے لئے لے آئے اور اُن کے سامنے رکھ دیا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ اُن کا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھ ہی نہیں رہا۔ اُن کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا کہ یہ کون ہیں؟ اس زمانے میں رواج تھا کہ جب دشمن قتل کے ارادہ سے آتا تو اُس آدمی کا نمک نہ کھاتا، اِس لئے کہ اگر نمک خور ہو گئے تو قتل کیسے کریں گے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ یہ کسی برے ارادے سے آئے ہیں، اسی لئے تو یہ ضیافت قبول نہیں کر رہے۔ اس پر آنے والوں نے کہا، آپ گھبرایئے نہیں، اصل میں ہم اللہ کے فرشتے ہیں، اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اسحاق کی بشارت دی۔ حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاندانی بیوی تھیں اور ان کے ہاں اولاد نہ تھی، بیٹے کی بشارت سن کر حیران ہوئیں۔ فرمایا:

(ترجمہ) تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی چلاتی آئیں اور اپنا منہ پیٹ کر کہنے لگیں کہ (اے ہے، ایک تو) بڑھیا اور (دوسرے) بانجھ۔‘‘ (آیت:29)

اس پر فرشتوں نے کہا:

(ترجمہ) ’’انہوں نے کہا (ہاں) تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے۔ وہ بیشک صاحب حکمت (اور) خبردار ہے۔‘‘ (آیت:30)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف جاتا رہا اور انہیں تسلی ہو گئی کہ یہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے فرشتے ہیں تو انہوں نے اُن سے پوچھ لیا:

(ترجمہ)’’ (ابراہیمؑ نے کہا) کہ فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟‘‘ (آیت:31)

فرشتوں کا جواب تھا:

(ترجمہ) ’’انہوں نے کہا کہ ہم گنہگاروں کی طرف بھیجے گئے ہیں، تاکہ ان پر کھنگر برسائیں۔ جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیئے گئے ہیں۔ تو وہاں جتنے مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا، اور اس میں ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔ اور جو لوگ عذابِ الیم سے ڈرتے ہیں ان کے لئے وہاں نشانی چھوڑ دی۔‘‘ (آیات: 32 تا 37)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوچھنے پر فرشتوں نے کہا کہ ہم دراصل ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، تاکہ اُس پر پتھروں کی بارش برسائیں۔ یہ پتھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشان زدہ تھے۔ یعنی لکھا تھا کہ کون سا پتھر کس کی ہلاکت کا ذریعہ بنے گا۔ یہ مجرم قوم لوط علیہ السلام کی قوم تھی۔ اس قوم کے لوگ امرد پرست تھے۔ اُن کو sadomy کی لت تھی اور کھلے عام محفلوں میں مردوں سے بدفعلی کرتے تھے۔ یہ اُن کی حیاباختگی اور جنسی انحراف کی انتہا تھی، جس کی بنا پر اُن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔

ایک طرف زلزلہ آیا اور کچھ دھماکہ ہوا جس سے بستیاں الٹ گئیں۔ پھر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی، جس سے سدوم اور عامورہ کے دونوں شہر بالکل دفن ہو کر رہ گئے۔ اس عذاب سے کوئی بھی گھرانہ نہ بچا، سوائے لوط علیہ السلام کے گھرانہ کے۔ خود اُن کی بیوی بھی جس کی ہمدردیاں فاسق قوم کے ساتھ تھیں، ہلاک ہو گئی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ لوط علیہ السلام سالہا سال تک قوم کو دعوت دیتے اور انہیں بے حیائی سے منع کرتے رہے، لیکن قوم ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ چنانچہ ایسے عذاب ہلاکت سے دوچار ہوئی کہ بعد والوں کے لئے نشان عبرت بنا دی گئی۔ آج تک وہ بستیاں موجود ہیں اور دنیا والوں کو قوم لوط کی حیا باختگی اور اُن پر آنے والے عذاب کی یاد دلا رہی ہیں۔ افسوس کہ اس سب کے باوجود آج پھر پوری دنیا اسی شیطنت کی طرف جا رہی ہے۔ دنیا بھر میں ہم جنس پرستی کے عنوان کے تحت اس برائی کو پروموٹ کیا جا رہا ہے۔ مغرب میں تو یہ وبا سیلاب کی طرح پھیل رہی ہے۔ اس کا انجام بھی وہی ہونا ہے جو کل سدوم اور عامورہ کے رہنے والوں کا ہوا تھا۔ خود مغرب کے سنجیدہ لوگ دنیا کو تباہی اور ہلاکت کے خطرے سے ڈرا رہے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے سامنے قوم لوط کا عبرتناک انجام ہے۔

آگے چند دوسری فاسق قوموں جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے پر آنے والے عذاب کا تذکرہ سبق آموزی کے لئے کیا گیا ہے۔ فرمایا:

(ترجمہ) ''اور موسیٰ (کے حال) میں (بھی نشانی ہے) جب ہم نے ان کو فرعون کی طرف کھلا ہوا معجزہ دے کر بھیجا۔ تو اس نے اپنی قوت (کے گھمنڈ) پر منہ موڑ لیا اور کہنے لگا یہ تو جادوگر ہے یا دیوانہ۔ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ کام ہی قابل ملامت کرتا تھا۔ اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی۔ وہ جس چیز پر چلتی اس کو ریزہ ریزہ کئے بغیر نہ چھوڑتی۔ اور (قوم) ثمود (کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا کہ ایک وقت تک فائدہ اٹھالو۔ تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔ سو ان کو کڑک نے آ پکڑا اور وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ نہ تو اٹھنے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ مقابلہ کر سکتے تھے۔ اور اس سے پہلے (ہم) نوح کی قوم کو (ہلاک کر چکے تھے) بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔'' (آیات 38 تا 46)

اب تیسرے اور آخری رکوع کا آغاز ہو رہا ہے۔

یہاں ایک دوسرے انداز سے تذکیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور و فکر کے ذریعے آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے۔ فرمایا:

(ترجمہ) ''اور آسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم کو سب مقدور ہے۔'' (آیت:47)

حد نگاہ تک آسمان کی بلندیاں اور وسعتیں انسان کے لیے ہمیشہ حیرت کا باعث رہی ہیں۔ اُس وقت انسان کی حد نگاہ بس اسی آنکھ تک محدود تھی۔ اگرچہ اب دیکھنے کے لیے انسان کے پاس اور بہت سے ذرائع آ گئے ہیں، تاہم ترقی کے باوجود انسان آسمان کی وسعتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس آیت میں لفظ ہاتھ استعمال ہوا کہ ہم نے اسے اپنے دست قدرت سے بنایا۔ پھر فرمایا کہ ہم (بڑی قدرت والے) بڑی وسعت دینے والے ہیں۔ ''موسعون'' اس معانی میں بھی ہے کہ اللہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے، اور وسعت سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ذرا آسمان کی وسعتوں کو دیکھو اور اس ذات کی وسعتِ قدرت کا اندازہ کرو۔

اللہ تعالیٰ آگے پھر اپنی قدرت کی طرف متوجہ فرماتا ہے:

(ترجمہ) ''اور زمین کو ہم ہی نے بچھایا تو (دیکھو) ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔'' (آیت:48)

دیکھو، تمہیں شک ہے کہ وہ تمہیں دوسرے عالم میں اٹھا کر کیسے کھڑا کرے گا؟ تو ذرا اس زمین کو دیکھو کہ اس نے کس قدر عمدگی سے اسے بچھایا۔ اس زمین کے حوالے سے آج انسان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جو پہلو سامنے آتے ہیں، وہ شاید اس سے پہلے نہیں تھے۔ پہلے لوگوں کے نزدیک زمین صرف ایک بہت بڑا امیدان تھی۔ آج ہم جانتے ہیں کہ زمین گیند کی طرح گول ہے، اور وہ فضا میں گھوم رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ساکن محسوس ہوتی ہے۔ غور کیجیے، یہ بیک وقت اپنے محور کے گرد بھی گھوم رہی ہے اور سورج کے گرد بھی چکر لگا رہی ہے۔ پھر سورج اپنے پورے خاندان (یعنی نظام شمسی کے سیاروں) کے ساتھ ایک کہکشاں کے اندر چکر لگا رہا ہے۔ پھر وہ کہکشاں الگ اپنے مدار میں گھوم رہی ہے۔ ان تمام دوری اور محوری گردشوں کے باوجود زمین سے زیادہ ساکن اور ثابت شے ہمارے لیے کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ کبھی ذرا سی ہلتی ہے تو زلزلہ آ جاتا ہے۔ دیکھو وہ ہستی جس کی خلاقیت کا مظہر یہ زمین و آسمان ہیں، کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

اگلی آیت مبارکہ میں مزید دلائل قدرت کے مشاہدہ کی دعوت دی گئی ہے۔ فرمایا:

(ترجمہ) ''اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں، تاکہ تم نصیحت پکڑو۔'' (آیت:49)

جوڑوں کا تصور آج ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ عالم حیوانات میں بھی جوڑے ہیں اور عالم نباتات میں بھی۔ مفسرین نے اور بھی بہت سے اعتبارات سے جوڑوں کی طرف اشارہ کیا جیسے اندھیرا اور اجالا۔ اسی طرح دن اور رات بھی ایک جوڑا ہے۔ دن کا اپنا ایک مقصد ہے، رات کا الگ مقصد ہے۔ دونوں مل کر ایک بڑے مقصد کی تکمیل کر تے ہیں۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ جیسے ہر شے اللہ نے جوڑے جوڑے بنائی ہے، اس طرح اس دنیا کا جوڑا آخرت ہے۔ آخرت میں تمہیں اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اگر آخرت نہ ہو تو دنیا میں کیے جانے والے اچھے یا برے عمل کی جزا و سزا کب ملے گی؟ آخرت کا تصور نہ ہو تو یہ دنیا بے معنی ہے۔ پھر اس دنیا کی حقیقت ایک اندھیر نگری سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ بامعنی تب ہو گی جب اس کو آخرت کے ساتھ جوڑیں گے۔

(ترجمہ) ''تو تم لوگ اللہ کی طرف بھاگ چلو، میں اس کی طرف سے تم کو صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔'' (آیت:50)

دیکھو، اللہ کی طرف رجوع کرو، جو علی کل شئ قدیر ہے۔ جس کی خلاقی، صناعی اور قدرت پوری کائنات کو تھامے ہوئے ہے، اس کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔ تمہارے لیے اور کوئی سہارا ہے ہی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ مدد کے لیے کسی کی طرف لپکنا ہے، تو وہ صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے۔ لہٰذا اسی سے رجوع کرو۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک بڑی پیاری دعا منقول ہے۔ ((اَللّٰھُمَّ لَا مَلْجَاَ اِلَّا مِنْکَ وَلَا مَاْوٰی اِلَّا اِلَیْکَ)) آج ہم نے (معاذ اللہ) امریکہ کو اپنا ملجا اور ماویٰ سمجھا ہوا ہے۔ امریکہ ہمیں مسلسل جوتے مار رہا اور ذلیل و خوار کر رہا ہے۔ سلالہ حملے پر ہم نے تھوڑا سا سٹینڈ لینے کی کوشش کی لیکن اب پھر پرنالہ وہیں گر رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اگر ہم ڈیفالٹ ہو گئے تو معاشی طور پر بالکل کنگال ہو جائیں گے۔ لہٰذا امریکہ کے سوا ہمارا کوئی سہارا اور ٹھکانہ نہیں ہے۔ گویا جو مقام اللہ تعالیٰ کو دینا چاہیے تھا وہ ہم نے امریکہ کو دیا ہوا ہے۔ اس سے جوتے کھا کر بھی اسی کی طرف جا رہے ہیں۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اس سے یہ مطالبہ بھی کر رہے ہیں کہ تھوڑی اشک شوئی کے لیے سلالہ کیمپ حملے کے حوالے سے معافی کے دو لفظ ہی کہہ دو، ہم پھر

تمہارے وفادار بن جائیں گے۔ کچھ تو ایسا کرو کہ ہمیں دنیا اور عوام کے سامنے تمہاری وفاداری کا جواز مل جائے۔ یہ اور بات ہے کہ اگر تم ایسا نہیں کرتے تب بھی ہمارے پاس تمہاری اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں (معاذ اللہ)۔ ہماری یہ روش اسلام اور ایمان کے عملی تقاضوں سے بغاوت کی انتہا ہے۔ بہرحال رسولوں کے ذریعے انسانوں اور اہل ایمان کو یہ پیغام دیا گیا کہ تمہارا ملجاو ماویٰ اللہ ہے۔ اسی کی طرف لپکو اور ہر حال میں اسی سے رجوع کرو، کیونکہ میں اللہ کی جانب سے تمہیں خبردار کر دینے والا ہوں۔ میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا، اب انجام کے تم خود ذمہ دار ہو۔ آگے فرمایا:

(ترجمہ) ''اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔ میں اس کی طرف سے تم کو صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔'' (آیت:51)

یہاں بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ہم ہی سے خطاب ہے، اور ہمارا ہی تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ ہم اللہ کو اپنا معبود مانتے ہیں، لیکن عملاً رب امریکہ کو بنایا ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ کو رب مان کر اس امید پر سارے غلط کام کرتے رہتے ہیں کہ وہاں کوئی بچالے گا۔ ہم آخرت کو بھی مانتے ہیں، اللہ کو بھی مانتے ہیں، رسول کو بھی مانتے ہیں، قرآن کو بھی مانتے ہیں، لیکن خیال ہے کہ کوئی اور بااختیار ہستیاں ہیں جو وہاں بچالیں گی۔ اس طرح وہ سب کچھ عملاً بے اثر ہو گیا جس کا ہم اقرار کرتے ہیں۔

یہاں پھر نبیؐ سے کہلوایا گیا کہ میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں۔ میں تمہارے کان کھولنے آیا ہوں۔ لیکن تمہارے عمل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔

اگلی آیت مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کی تسلی کے لیے فرمایا گیا:

(ترجمہ) ''اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے۔'' (آیت:52)

یہی پیغام بندگی پہلے رسول بھی دیتے رہے۔ ان کی قوم کی طرف سے بھی جواب یہی ہوتا تھا کہ یہ شخص دیوانہ اور خبطی ہے۔ یہ شخص ہمارے معبودوں کا انکار کر رہا ہے، جنہیں ہمارے آباء واجداد صدیوں سے مانتے آئے ہیں، ہم کیسے اس کی بات مان لیں۔ شاید اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔ اس کی گفتگو میں جو تاثیر ہے اس سے لگتا ہے کہ یہ ساحر بھی ہے۔ اے نبیؐ ان کی مخالفت سے مت گھبرائیں، آپؐ سے پہلے بھی سب نبیوں کے بارے میں یہ بات کہی گئی۔

اگلی آیت میں منکرین پر طنز ہے:

(ترجمہ) ''کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ یہ شریر لوگ ہیں۔'' (آیت:53)

یعنی ان الزامات میں اتنا تسلسل ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہلاک ہونے والی قومیں اگلی قوم کے لیے وصیت کر کے جاتی تھیں کہ آئندہ کوئی رسول آئے تو اس کے ساتھ یہی سلوک کرنا، اس کو ساحر جادوگر اور مجنون کے خطابات دینا اس تسلسل کی وجہ یہ ہے کہ قوم کے سرکش لوگ اور شریر لوگ، اس قوم کے سردار ہوتے تھے۔ انہیں نظر آتا تھا کہ رسولؐ کی بات مان لی تو ہماری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ سرداران قریش پر بھی یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ محمد ﷺ سچے ہیں، ابوجہل کی زبان سے بھی یہ الفاظ نکلے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ محمد (ﷺ) جھوٹے ہیں، اصل مسئلہ چودھراہٹ کا تھا۔ وہ اپنی نجی محفل میں یہ بات کہتا تھا کہ اگر ہم نے ان کو رسولؐ مان لیا تو اس میں ہماری سبکی ہے۔ ہمارا ان کے قبیلے بنوہاشم کے ساتھ مقابلہ چلا آ رہا ہے۔ اگر ہم نے ان کو رسولؐ مان لیا تو پھر ہمیں ان کی اطاعت کرنا پڑے گی اور یہ مجھے قبول نہیں۔ یہی معاملہ ولید بن مغیرہ کا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب حق ہے لیکن چودھراہٹ آڑے آ گئی۔

چنانچہ آگے نبی ﷺ کے لیے ہدایت ہے:

(ترجمہ) ''تو ان سے اعراض کرو تم کو (ہماری طرف سے) ملامت نہ ہوگی۔ اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔'' (آیات: 54-55)

نبی اکرم ﷺ چونکہ چاہتے تھے کہ سرداران قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تا کہ اس سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہو جائے۔ آپؐ ان کی طرف زیادہ التفات بھی فرماتے تھے۔ ظاہر ہے ان میں سے ایک کا ایمان لانا دنیاوی اعتبار سے شاید سو اور ہزار کے برابر ہوتا۔ چنانچہ آپؐ کو ایک خاص سٹیج پر آ کر کہہ دیا گیا کہ ان کو منہ نہ لگایئے، آپؐ پر کوئی الزام نہیں۔ آپؐ نے حق بات پہنچا دی ہے اب یہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ البتہ دعوت عام جاری رکھیے۔ رسول کا کام اصل حقائق کی یاددہانی کرانا ہوتا ہے۔ وہ عہد الست کی یاد دلاتا ہے۔ یہ عہد ہم میں سے ہر ایک نے اللہ سے کر رکھا ہے۔ رسول یہ بتاتا ہے کہ تمہارا رب ایک اللہ ہے، تمہیں اسی کی بندگی کرنی ہے۔ زندگی کی اصل حقیقت آخرت ہے۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور عالم ہوگا، جہاں پر تمہارے اعمال کا بھرپور بدلہ ملے گا۔ لہٰذا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ کے بندے بن کر رہو، ورنہ تمہاری عاقبت برباد ہو جائے گی۔ یہی پیغام آپؐ دیتے رہیے، تذکیر کرتے رہیے، یاددہانی کراتے رہیے۔ عمومی طور پر تذکیر سے کوئی فائدہ نہ بھی اٹھائے تو بھی یہ مؤمنین کے لیے نفع بخش گی، اہل ایمان بہرحال اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اسی حوالے سے سورۃ ق میں فرمایا گیا کہ: (ترجمہ) ''پس جو ہمارے (عذاب کی) وعید سے ڈرے اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہو۔'' (آیت: 45) یعنی اللہ کا پیغام پہنچانے اور حق واضح کرنے کے لیے قرآن کو ذریعہ بنایئے۔ حضور ﷺ نے یہی کام کیا۔ آپؐ نے قرآنی آیات کے ذریعے لوگوں کو دین کی دعوت دی۔ یہ قرآن ہی آپؐ کا آلۂ انقلاب تھا۔

آگے وہ عظیم آیت آئی ہے جس میں جن وانس کی تخلیق کا مقصد بتایا گیا ہے۔ فرمایا:

(ترجمہ) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔'' (آیت:56)

اللہ کا اپنی مخلوق جن وانس سے تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کے بندے بن کر رہیں۔ لیکن اس مطالبہ کے ساتھ ساتھ انہیں ان کی آزاد مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ جن کو یہاں بھیجا گیا وہ اگر اللہ کے بندے بن کر رہیں گے تو اللہ کے ہاں کامیاب ہوں گے اور اگر اللہ کا بندہ بننے کے بجائے اس دنیا میں اللہ کے سب سے بڑے سرکش اور باغی (یعنی شیطان) کے رستے پر چلیں گے تو ناکام ہوں گے۔ اللہ کی بندگی کا راستہ کون سا ہے اور شیطان کا راستہ کون سا ہے، یہ بتانے کے لیے اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک ایک لاکھ سے زائد انبیاء اور تین سو سے زیادہ رسول بھیجے اور صحائف وکتب نازل کیں۔ انسان کو دونوں راستوں کے انتخاب کا اختیار اس لیے دیا گیا، کہ معلوم ہو کہ کون ہے جو راہِ حق اختیار کرتا ہے اور کون شیطان کی راہ پر چلتا ہے۔ کون اللہ کا شکرگزار بن کے زندگی گزارتا ہے اور کون ناشکری کرتا ہے۔ اسی اختیار کی بناء پر آخرت میں جزا وسزا ہوگی۔ اگر یہ اختیار نہ ہو تو پھر جزا وسزا بے معنی ہے۔ پچھلے دنوں مجھے ایک مذاکرے میں شرکت کا موقع ملا۔ ایک صاحب جو سائنس کے میدان کے آدمی تھے انہوں نے انکشاف کیا کہ جینز کے معاملے میں ہی جانوروں اور انسان کا بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ جانور کے جینز میں ہر عمل

کے حوالے سے تفصیلی رہنمائی موجود ہوتی ہے۔ اُن کے اندر جبلی ایک پروگرامنگ کر دی گئی ہے۔ وہ اس کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ جبکہ انسان کے جینز میں موٹی موٹی باتیں ہوتی ہیں، باقی بہت سارے میدان کھلے چھوڑے گئے ہیں۔ یعنی انسان کو بہت سے معاملات میں انتخاب کی آزادی دی گئی ہے۔ یہ زندگی امتحان بھی تبھی بنتی ہے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہے۔ چپے چپے پر فرشتے موجود ہیں، جو اللہ کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن جنات اور انسان کو کسی قدر آزادی و اختیار دے کر اُن سے کہا گیا ہے کہ وہ احکام الٰہی کی پابندی کریں۔ آگے فرمایا:

(ترجمہ) ’’میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں۔ اللہ ہی تو ہے رزق دینے والا زور آور (اور) مضبوط ہے۔‘‘ (آیت:57-58)

اللہ تعالیٰ مولائے حقیقی ہے۔ وہ تو خالق ومالک اور رازق ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں۔ ہم ہر ہر چیز میں اس کے محتاج ہیں۔ لہٰذا ہمیں اسی کا بندہ بننا چاہیے۔ اللہ نے دنیاوی آقاؤں کی طرح یہ نہیں کہا کہ میرے لیے کچھ کما کے لاؤ یا مجھے کھلاؤ پلاؤ۔ اس کے برعکس وہی رب ہمیں کھلاتا پلاتا ہے، وہ سب کو رزق دینے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میرے بندے بنو۔ بندے کا کام ہر معاملے میں اپنے مالک کی اطاعت اور اُس کی وفاداری ہے۔ رازق بھی اللہ ہے، مشکل کشا اور حاجت روا بھی اللہ ہے۔ تمہاری سب ضروریات کو وہی پورا کرے گا۔ افسوس کہ آج ہم مولائے حقیقی کو رب کا مقام دینے کے لیے عملاً تیار نہیں ہیں، الا ماشاء اللہ۔ بالعموم مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے کہ نہ انفرادی زندگی میں اللہ کو رب ماننے کو تیار ہیں اور نہ اجتماعی سطح پر۔ ہم نے امریکہ کو اپنا رب اور ملجا وماویٰ مانا ہے۔

(ترجمہ) ’’کچھ شک نہیں کہ ان ظالموں کے لئے بھی (عذاب کی) نوبت مقرر ہے جس طرح ان کے ساتھیوں کی نوبت تھی تو ان کو مجھ سے (عذاب) جلدی نہیں طلب کرنا چاہیے۔‘‘ (آیت: 59)

یہ سارے حقائق کو بیان فرمانے کے بعد قریش مکہ کے حوالے سے فرمایا کہ یقیناً جو اللہ کے رسول اور قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں، ان کے لیے بھی وہی پیمانہ مقرر ہے جیسا ان دوسرے اصحاب کے ساتھ معاملہ ہوا، جن کا تذکرہ پیچھے آ چکا ہے۔ وہی اللہ کی سنت ان کے لیے بھی ہے۔ ان کے لیے بھی دنیا کا عذاب ان کے سر پر کھڑا ہے۔ یہ جلدی نہ کریں۔ وہ عذاب ان پر بھی آ سکتا ہے۔ آخری آیت ہے:

(ترجمہ) ’’جس دن کا ان کافروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس سے ان کے لئے خرابی ہے۔‘‘ (آیت:60)

اگر ان کی یہ روش برقرار رہی تو انہیں اپنے انجام سے ڈرنا چاہیے۔ ایک عذاب دنیا کا ہے جو کسی بھی وقت آیا چاہتا ہے اور ایک عذاب اس دن ملے گا جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ کفار کی اصل تباہی وبربادی آخرت میں ہوگی۔ اللہ کا یہ پیغام نہ صرف ان لوگوں کے لیے تھا بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کی اس ہدایت سے پورے طور پر استفادے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(مرتب: محبوب الحق عاجز، فرقان دانش)

پریس ریلیز 28 اپریل 2012ء — حافظ عاکف سعید

پشاور یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی اور ایم فل کے نصاب میں ملعون رشدی کی کتابوں کو شامل کرنا انتہائی ناپاک جسارت ہے
عدلیہ، مسلح افواج اور وفاقی حکومت فوری طور پر نوٹس لے اور تحقیقات کر کے ذمہ دار عناصر کو عبرتناک سزا دی جائے

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے پشاور یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی اور ایم فل کے لیے ملعون سلمان رشدی کی دو کتابوں کو مڈنائٹ چلڈرن اور شیم کو نصاب کا حصہ بنانے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو کام سیکولر ہندوستان کرنے کی جرأت نہ کر سکا وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا نے کر دکھایا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے حکمران دین کے حوالے سے جس بے حسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس پر نہ صرف علماء کرام اور دین دار لوگ بلکہ پاکستان کی سارے عوام شدید مضطرب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صوبائی حکومت نے صرف پاکستانی عوام ہی کے نہیں بلکہ پوری اُمت مسلمہ کے جذبات کو شدید مجروح کیا ہے۔ عدلیہ، مسلح افواج، وفاقی حکومت کو فوری طور پر نوٹس لے کر نہ صرف ان کتابوں کو ضبط کرنا چاہیے، بلکہ تحقیقات کر کے ان عناصر کو عبرتناک سزا دی جائے جنہوں نے جان بوجھ کر یا غفلت سے ان کتابوں کو شامل نصاب کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ متعلقہ حکام نے اگر یہ اقدام نہ کیا تو پاکستان کے پرجوش عوام کی طرف سے شدید ردعمل ظاہر ہوگا، جس کے ان کے لیے غیر متوقع نتائج ظاہر ہوں گے۔

پریس ریلیز 4 مئی 2012

وزیر دفاع کا اُسامہ کے خلاف آپریشن میں امریکہ کی مدد کرنے کا بیان اعتراف جرم کے مترادف ہے
چیف جسٹس ازخود نوٹس لے کر ذمہ دار افراد کو سزا دیں

ملک کے وزیر دفاع کا یہ کہنا کہ پاکستان کی حکومت اور فوج نے اُسامہ کو ہلاک کرنے میں مدد کی تھی اعتراف جرم کے مترادف ہے، بلکہ ’’عذرِ گناہ بدتر از گناہ‘‘ کی ایک زندہ مثال ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ قطع نظر اس کے اُسامہ بن لادن ایک عظیم جہادی مسلمان تھا یا بقول حکومت کے دہشت گرد تھا، سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کی حکومت اور اُس کے سیکورٹی ادارے بشمول فوج اتنی اہلیت نہیں رکھتے تھے کہ وہ ایبٹ آباد جیسے شہر میں اپنی فیملی کے ساتھ مقیم ایک شخص کو خود گرفتار یا ہلاک کر سکتے اور محض ایک شخص کو ہلاک کرنے کے لئے اُنہیں امریکی فوج کے ہیلی کاپٹروں کی مدد لینا پڑی اور اس طرح پوری قوم کو دنیا کے سامنے ذلیل ورسوا کیا گیا۔ اُنہوں نے کہا کہ وزیر دفاع کا بیان اِس حقیقت کا اعتراف بھی ہے کہ ملکی سرزمین اور فضاؤں کی حرمت کو غیروں کے ہاتھوں اُنہوں نے خود پامال کروایا ہے۔ اُنہوں نے مطالبہ کیا کہ چیف جسٹس سپریم کورٹ افتخار چوہدری پر لازم آتا ہے کہ وہ اس کا ازخود نوٹس لیں اور اس انتہائی سنگین غداری کے مرتکب متعلقہ افراد کو عبرتناک سزائیں دیں تا کہ آئندہ کسی کو ملک وملت سے غداری کی جرأت نہ ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ حکمرانوں کی اس نوع کی حرکات کی وجہ سے پاکستان پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور ہم روز کسی نئی مصیبت سے دوچار ہوتے ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

محنت کشوں کے حقوق کا ضامن، اسلام کا نظام عدل

کلامِ اقبال کی روشنی میں

نعیم اختر عدنان

اقوام عالم کی نمائندہ تنظیم اقوام متحدہ نے یکم مئی کو مزدوروں کا عالمی دن قرار دے رکھا ہے۔اس دن کی مناسبت سے یکم مئی کو پوری دنیا میں محنت کشوں کے حقوق پر کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔عالمی رہنماؤں اور بین الاقوامی لیبر تنظیموں کے لیڈروں کے پیغامات نشر کئے جاتے ہیں۔الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر مباحثے منعقد کیے جاتے اور مضامین لکھے جاتے ہیں، مگر ان سب کوششوں کے باوجود عالمی سطح پر رائج سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے خونی پنجوں کی گرفت سے بے کس و بے بس اور مظلوم محنت کش طبقے کا دامن تار تار ہوتا ہی رہے گا۔اس دشمن انسانیت نظام کی ہلاکت خیزیوں کے بارے میں شاعر مشرق علامہ اقبال نے دنیا کو بہت پہلے خبردار کرتے ہوئے کہا تھا۔

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

اگر چہ فی الوقت عالمی سطح پر جمہوری نظام ہی کو انسانیت کے "نجات دھندہ نظام" کے طور پر پیش کیا جارہا ہے، مگر اس جمہوری نظام کو اقبالؒ نے سرمایہ داروں کی آمریت کا نام دے کر اس کے اصل اور مکروہ چہرے سے پردہ ہٹا کر اسے بے نقاب کر دیا۔علامہ اقبالؒ نے بجا طور پر اس نظام کے طریقۂ واردات کو پہچانتے ہوئے باور کر لیا تھا کہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام میں دولت مند طبقات کو نہ صرف تحفظ دیا جاتا ہے بلکہ انہیں امیر سے امیر تر بننے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔جبکہ اس نظام میں مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل طبقہ کو انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانوں اور جانوروں کی سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے!

اس وقت پوری دنیا میں انسان ساختہ قوانین اور ضابطے نافذ العمل ہیں۔ان قوانین کی بنیاد ہی دوسرے انسانوں پر ظلم و جبر کو قائم رکھنے کے اصول پر قائم ہے۔اس شیطان صفت طاغوتی نظام ظلم کے خاتمے کے بغیر انسانیت خصوصاً محنت کشوں کو ان کے انسانی حقوق کی فراہمی ناممکن ہے۔بقول شاعر۔

ظلم رہے اور امن بھی ہو
کیا ممکن ہے تم ہی کہو؟

اقبال کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی عقل و دانش وحی آسمانی اور انبیاء کی تعلیمات کو مینارۂ نور بنائے بغیر عدل وانصاف کی راہ تلاش کرنے سے یکسر قاصر ہے۔انسانی عقل و دانش کی اس کوتاہی و نارسائی کے بارے میں اقبال نے یوں وضاحت فرمائی ہے۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

انسان اپنی طبعی کمزوری کی بنا پر معاشرے کے تمام انسانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا نظام بنانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا، کیونکہ انسانی علم وادراک اور اس کے تجربات ومشاہدات خود انسانی عقل ہی کی طرح ناقص اور ناتمام ہیں۔اسی لیے تو اقبال کو کہنا پڑا۔

رازدانِ جزو و کل از خویش نامحرم شد است
آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شد است

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے عہد کی جدید ترین تعلیم کو مغرب کی اعلیٰ ترین درس گاہوں سے حاصل کیا مگر اس کے باوجود وہ مغرب کے نظام سیاست، نظام معیشت اور نظام تمدن کے مبنی بر انصاف ہونے کے قائل نہ ہو سکے بلکہ علامہ اقبال کو یقین کامل حاصل تھا کہ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام ہی درحقیقت انسانیت دشمن نظام ہے۔وہ اس ظالمانہ نظام کی خباثتوں کو تمام باریکیوں کے ساتھ جانتے تھے۔چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت!
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات!

ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے علامہ اقبال کو یقین کامل حاصل تھا کہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا صرف اور صرف اسلام کے عادلانہ نظام ہی سے ممکن ہے۔ان کے دل و دماغ میں اسلام کی روشنی مینارۂ نور بن کر جگمگا رہی تھی۔اسی لئے تو انہوں نے ببانگ دہل یہ نعرۂ مستانہ بلند کیا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

حکیم الامت اور ترجمان القرآن علامہ اقبال محنت کشوں کی حالت زار پر سخت افسردہ تھے، لہٰذا اس طبقہ پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات!

ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو حیرانی ہو کہ اقبال تو محنت کشوں کا شاعر لگتا ہے۔علامہ اقبال نے محنت کش طبقہ کی کمزور آواز کو اپنی زبان عطا کر کے ان کے مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے خود کو مظلوم طبقات کا ترجمان بنا لیا۔چنانچہ اقبال محنت کشوں کو یہ انقلابی پیغام دینا اپنا فرض منصبی قرار دے کر کہتے ہیں۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو!
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو!
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو!

اقبال نے برعظیم میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ اور خودمختار وطن کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو ہم علیحدہ ملک میں اسلام کے روشن چہرے پر عرب بادشاہت میں لگنے والے داغوں کو مٹا کر اسلام کا اصل چہرہ (یعنی اسلام کا عادلانہ نظام نافذ) دنیا کو دکھا سکیں گے۔یوں اسلام کے اصول حریت واخوت و مساوات کا عملی نمونہ قائم ہو سکے گا۔۔۔۔۔۔۔مگر قیام پاکستان کے بعد 65 سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کی برکات کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔بقول اقبال "چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر" کے فلسفہ پر قائم

جمہوری نظام میں محنت کشوں اور عوام الناس کی اکثریت پر نظام ظلم اپنی تمام تر چیرہ دستیوں کے ساتھ مظلوموں کی تمناؤں کا خون کرنے میں پہلے سے زیادہ سفاکی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ علامہ اقبال بڑی بے تابی کے ساتھ سرمایہ پرستی کے اس سفینے کے ڈوبنے کے منتظر تھے۔

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تیری منتظر روزِ مکافات!

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو آخری و تکمیلی نبوت و رسالت کے ذریعے ایسا عادلانہ اور مبنی بر انصاف نظام عطا فرمایا جس میں خالق کائنات کے بعد انسان ہی کی ذات قابل احترام اور لائق محبت قرار پاتی ہے۔ انسانیت کو مختلف گروہوں اور طبقوں میں تقسیم کرنا خود بدترین قسم کا ظلم ہے۔ بقول اقبال ؎

جو کرے گا امتیازِ رنگ وخوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابئِ والا گہر!

اللہ کے آخری پیغمبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قیامت تک کے لئے یہ ہدایت عطا فرمائی تھی کہ تمہارے زیردست و ماتحت تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارے قبضہ میں دے رکھا ہے۔ پس تم میں سے جس کسی کے قبضہ و تصرف میں خدا نے کسی کو دے رکھا ہے، اسے چاہیے کہ جو خود کھاتا ہے وہی کھانا اپنے ماتحت کو بھی کھلائے۔ جیسا لباس وہ خود پہنتا ہے ویسا ہی لباس اپنے زیردستوں کو بھی پہنائے اس پر کام کا اتنا ہی بوجھ ڈالے جتنا وہ برداشت کرسکتا ہو بصورت دیگر مشکل اور پر مشقت کام میں اپنے ماتحت کی خود داس کام کی انجام دہی میں مدد دے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ہدایت میں نمرود، فرعون اور قارون جیسے لوگوں کا ذکر کر کے ظالم لوگوں ں کے ظلم کی مذمت بھی فرمائی اور انہیں دنیا ہی میں برے انجام سے دوچار کر دیا۔ یہ لوگ آج کے بدمست حکمرانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے حق حکمرانی حاکمیت والوہیت خداوندی پر بھی ڈاکہ زنی کر کے خود کو "حاکم و مختار" سمجھتے تھے اور بندگان اللہ کے حقوق کو غصب و پامال کرنا بھی ان کا چلن اور شیوۂ حکمرانی بن چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے انجام بد سے عبرت حاصل کرنے کی تعلیم دی۔ اسی لئے تو اقبال نے قرآن کے پیغام ہدایت کو سرمایہ داروں کی موت اور غریبوں اور محنت کشو ں کے لئے مسیحا قرار دیا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ!

بحیثیت مسلمان ہمیں یہ یقین واعتماد حاصل ہونا چاہیے کہ غریبوں، مزدوروں کسانوں، ہاریوں اور دیگر محروم طبقات کے حقوق کی اگر حفاظت اور فراہمی ہوسکتی ہے تو یہ اسلام کے عادلانہ نظام کے سایہ تلے ہی ہوسکے گی۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے کہا تھا ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

علمائے دین اور اہل دانش کا فرض ہے کہ وہ مظلوم طبقات کے بارے میں قرآنی تعلیمات اور نبویؐ ہدایات کو معاشرے تک پہنچانے کا دینی وشرعی فریضہ ادا کریں، وگرنہ قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں وہ گونگے شیطان بن کر مجرم کی حیثیت میں عدالت خداوندی میں پیش کیے جائیں گے اور دنیا میں ان لوگوں پر اقبال کا یہ فتویٰ لاگو ہوگا کہ ؎

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعے امت کو ہدایات عطا فرمائیں۔ افسوس امت نے انہیں فراموش کر دیا ہے۔ اگر ہم زمانے میں پھر عروج وسربلندی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ اسلام کے زریں اصولوں پر انفرادی اور اجتماعی سطح پر عمل کرنا ہے، اس کے بغیر خیر امت ہونے کی حیثیت سے امت اپنا مقصد پورا نہیں کر سکتی۔ انسانی تکریم اور بزرگی کا لحاظ جس قدر اسلام نے رکھا ہے کسی اور دین و مذہب نے نہیں رکھا۔ آیئے، ان تعلیمات کا جائزہ لیں اور ان پر عمل کرنے کا عہد کریں۔

دین اسلام میں انسان کی عظمت اور تکریم اور اہمیت وعزت افزائی کا اعتراف اس حد تک کیا گیا کہ صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں اور اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبہ سے اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے۔ ایک حدیث رسول ﷺ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا اے ابن آدم میں بیمار تھا تو میری عیادت کرنے نہ آیا۔ بندہ کہے گا پروردگار میں تیری بیمار پرسی کیسے کرسکتا ہوں تُو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا، کیا تجھے معلوم نہیں ہوا، میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا۔ تُو اس کی عیادت کو نہ گیا تھا۔ اگر تُو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ پھر ارشاد ہوگا، اے فرزندِ آدم، میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا پروردگار میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں تُو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا اگر تُو فلاں بھوکے کو کھانا کھلاتا تو تُو اس کے پاس مجھے پاتا۔ اسی طرح ارشاد ہوگا: اے فرزندِ آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا۔ تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا، اے رب! میں تجھے پانی کیسے پلاسکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی طلب کیا تھا تُو نے اسے پانی نہیں دیا۔ اگر تو اسے پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

احترام انسانیت کی اس سے بڑھ کر اور تعلیم کیا ہوگی کہ حدیث نبوی ﷺ ہے رحم کرنے والوں پر رحمان کی رحمت ہوتی ہے۔ اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو آسمان والا تم پر رحمت نازل کرے گا۔ حکمران طبقات اور مالدار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ معاشرے کے مفلوک الحال پسے ہوئے اور پسماندہ طبقات کی حاجات وضروریات کی تکمیل کا بندوبست کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے کہ لوگو اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور جانے والی دعاؤں کو روکوں ۔ علماء نے اس ارشاد کی وضاحت میں لکھا ہے کہ اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ حکمرانِ وقت ظالموں کے مقابلے میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کریں، تاکہ انہیں اپنے حق کے لیے اللہ تعالیٰ سے انصاف طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مالدار طبقات پر اس قدر انفاق مال فرض ہے جس سے اہل حاجت کی کفالت ہوسکے۔ معاشرہ میں اگر فقرا بھوکا ننگا رہنے کی مصیبت میں مبتلا ہیں تو یہ معاشرے کے خوش حال طبقات کے رویے ہی کی وجہ سے ہے۔ ایسے لوگوں کا خدا ضرور محاسبہ کرے گا۔ لہٰذا حکمرانوں اور مالدار طبقات کا فرض ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے ہی ہم مذہب اور ہم وطن دینی بھائیوں کے انسانی اور اسلامی حقوق کی ادائی کو یقینی بنائیں۔ ورنہ تو مزدور کے

ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا ؎

دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

ملکی اور انفرادی سطح پر ایسا نظام معیشت اور طرز فکر رائج کیا جائے جس میں معمولی درجے کی محنت کرنے والے محنت کش کو کفالتی معیار کی اجرت فراہم کی جائے۔ محض آٹھ ہزار روپے اجرت طے کر لینے سے بات نہیں بنے گی۔ یہ اجرت کم از کم اتنی ہونی چاہیے جس سے اس کے تمام کنبہ کی بنیادی ضروریات پوری ہوسکیں۔ محنت کشوں کی خوش حالی کے لیے ایسے قوانین وضع کیے جانے چاہئیں جن سے وہ خوش حال زندگی گزار سکیں اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ؎

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے!

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ مرکزی انجمن خدام القرآن کے سابق ناظم اعلیٰ اور امیر تنظیم اسلامی کے قانونی مشیر محترم قمر سعید قریشی کا بھتیجا روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گیا۔

☆ قرآن اکیڈمی کے کارکن عبدالغفور اور محمد خلیق کے پھوپھا عبدالغنی رضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔

☆ حلقہ سرگودھا کے معتمد غلام رسول کے سُسر وفات پا گئے۔

☆ مقامی تنظیم سرگودھا کے ملتزم رفیق محمد ریاض کے بہنوئی وفات پا گئے۔

☆ تنظیم اسلامی واپڈا ٹاؤن، لاہور کے ملتزم رفیق محمد صادق کے ماموں وفات پا گئے۔

☆ منچن آباد کے منفرد رفیق رضوان احمد کی خالہ جان وفات پا گئیں۔

اللہ رب العزت مرحومین کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے، اور ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)۔ قارئین و رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

☆☆☆

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

مسلم ہیروز

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

خلافت کی خصوصیات

تحریر و تحقیق: فرقان دانش

مجلس شوریٰ کا قیام

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے شورائیت کی روح کو جو بالکل مردہ ہوگئی تھی، از سر نو زندہ کیا۔ مجلس شوری میں چند منتخب لوگوں کو مشیر خاص مقرر کیا جو ان کو تمام ملکی معاملات میں مشورہ دیتے تھے۔ طبقات بن سعد میں لکھا ہے ’’حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے چند مصاحب تھے جو رعایا کے معاملات میں مشورہ دیا کرتے تھے۔‘‘

فرائض دینی کی حفاظت

اسلامی حکومت کا کام یہ ہے کہ وہ اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض کی ادائیگی کے لیے اقدامات کرے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے ان تینوں کا نظام ابتر ہوگیا تھا۔ آپؒ نے نماز قائم کرنے کے بارے میں اپنے عمال کو فرمان جاری کیا۔ ’’نماز کے وقت تمام کام چھوڑ دو۔ کیونکہ جس شخص نے نماز کو ضائع کیا، وہ دوسرے فرائض اسلام کو سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔‘‘

اسی طرح آپؒ نے زکوٰۃ و عشر کے شرعی مداخل و مخارج کی پابندی کروائی۔ ایک بار عدی کی نسبت معلوم ہوا کہ شراب کا عشر لیتے ہیں تو ان کو لکھا کہ بیت المال میں صرف حلال مال داخل کرو۔

منکرات کے خاتمہ اور اوامر کی بجا آوری کے ضمن میں آپؒ نے بدعات کا خاتمہ اور قرآن و سنت کی پابندی پر بہت زور دیا۔ شراب کی دکانیں مسمار کروا دیں۔ لوگوں کو لہو و لعب اور راگ باجے سے منع کر دیا۔ عورتوں کو حمام میں جانے سے روک دیا وغیرہ وغیرہ۔

عمال حکومت

آج اگر کہیں حکومت تبدیل ہو تو سلطنت کے اعضاء و جوارح یعنی عمال (بیورو کریسی) پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی صالح اور دیانت دار افراد کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔ کوئی شخص جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قرابت دار ہوتا اس کو کبھی عامل مقرر نہ کرتے۔ جو لوگ کسی عہدے کے خواستگار ہوتے ان کو وہ عہدہ نہیں دیتے تھے۔ سفاک اور ظالم لوگوں کو بھی کوئی ذمہ داری نہ دیتے تھے۔ اسے عامل بناتے جو قرآن و حدیث کا علم رکھتا ہو۔ تمام عمال کو یہ ہدایت تھی کہ وہ صرف اہل قرآن ہی کو عہدے دار مقرر کریں۔ تمام عمال کو عدل و انصاف کا سخت تاکیدی حکم تھا۔ ایک عامل کو لکھا: ’’تم سے پہلے لوگوں پر جس قدر ظلم ہوا ہے، تمہیں کم از کم اتنا انصاف اور احسان تو کرنا چاہیے کہ ازالہ ہوسکے۔‘‘

قاضیوں کے تقرر کے لیے سخت شرائط تھیں۔ فرماتے تھے کہ قاضی میں پانچ خوبیاں ہونی چاہئیں۔ سنت نبویہ کا عالم ہو، حلیم الطبع ہو، پاک دامن ہو، جلد باز نہ ہو اور مشورہ لینے والا ہو۔

آپؒ خود اپنے خرچ کے لیے دو درہم بیت المال سے لیتے تھے۔ لیکن عمال کی تنخواہیں سو سو اشرفیاں اور اکثر کی دو سو اشرفیوں سے بھی زیادہ تھی۔ کسی نے اعتراض کیا تو کہا ’’اگر وہ کتاب و سنت پر عمل کریں تو یہ بہت کم ہے۔ میں انھیں معاش اور اہل و عیال کے جھگڑوں سے فارغ کر دینا چاہتا ہوں۔‘‘ اس کے علاوہ گاہے گاہے عمال کے طرزِ عمل کی خود تحقیقات بھی کرتے رہتے تھے کہ وہ اعتدال و انصاف کی راہ چھوڑنے نہ پائیں۔

ذاتی ملازمین کی ڈاؤن سائزنگ

بعض ملازمین جو سلاطین کی شان و شوکت اور ذاتی خدمت کے لیے رکھے گئے تھے اُن کی تعداد چھ سو تھی، جن میں تین سو کا پولیس سے تعلق تھا اور تین سو پہرہ دار تھے۔ ان کو اپنی خدمت سے ہٹایا تو ان کو بالکل فارغ کرنا مناسب نہ سمجھا اور حکم دیا کہ جو شخص سرکاری ملازمت میں رہنا چاہے تو اسے دس دینار تنخواہ ملے گی اور جو شخص ملازمت چھوڑ دے تو وہ اپنی خوشی سے چھوڑ سکتا ہے۔

ذمیوں کے حقوق

آپؒ کے زمانہ میں ذمیوں کے تمام حقوق اس قدر محفوظ

تھے کہ اس کی نظیر خلافت راشدہ کے بعد کہیں اور نہیں مل سکتی۔

آپؒ نے ذمیوں کی جان کو ہمیشہ مسلمانوں کی جان کے برابر سمجھا۔ حتیٰ کہ ان کے مال و جائیداد کی حفاظت میں خاندانی تعلقات کی بھی پروا نہیں کی۔ ولید بن عبدالملک نے کسی ذمی کی جاگیر عباس بن ولید کی ملکیت میں دے دی تھی۔ اس ذمی نے آپؒ سے کتاب اللہ کے موافق فیصلہ چاہا تو عباس نے ولید کی سند دکھائی۔ بولے ''خدا کی کتاب، ولید کی سند پر مقدم ہے۔ عباس تم اس کی زمین واپس کردو۔'' آپؒ سے پہلے ذمیوں کے بعض مذہبی حقوق پامال کردیے گئے تھے۔ آپؒ نے ان کے وہ حقوق بھی بحال کیے۔ چنانچہ دمشق میں عیسائیوں کا گرجا جو مسلمانوں کی جاگیر میں داخل ہوگیا تھا، عیسائیوں کے دعویٰ پر انھیں واپس دلا دیا۔ اسی طرح جزیہ کا وصولی میں آپؒ نے ہمیشہ نرمی کا برتاؤ کیا۔ ذمیوں کو معاشی میدان میں ترقی کے یکساں مواقع میسر تھے۔ اگر کوئی ذمی بوڑھا ہوتا تو اس کے رشتہ داروں کو حکم دیا جاتا کہ اس کے مصارف برداشت کریں، ورنہ اس کی کفالت حکومت اپنے ذمہ میں لے لیتی۔

رعایا کی خوشحالی کے لیے اقدامات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیت المال کا دروازہ رعایا کے لیے کھول دیا اور اپاہجوں کے لیے وظائف مقرر کیے۔ ملک میں جتنے مسلمان تھے ان کے بچے بچے کا وظیفہ مقرر کیا۔ وظائف تمام لوگوں میں مساوی طور پر تقسیم ہوتے تھے۔ صرف آزاد شدہ غلاموں کے وظائف عام مسلمانوں سے کچھ کم تھے۔ آپ نے ایک لنگر خانہ بھی قائم کیا جہاں نادار افراد کو کھانا دیا جاتا تھا۔ بیت المال کے قرض داروں کا قرض ادا کرنے کے لیے ایک علیحدہ مد قائم کی۔ قیدیوں کو بھی وظائف ملتے تھے۔ رعایا سے لیے جانے والے بہت سے ٹیکسوں کو ناجائز قرار دے کر معاف کردیا اور جو ٹیکس خراج وصول کیا جاتا اس کے متعلق سخت حکم تھا کہ اس کی وصولی میں کوئی ناجائز اور ظالمانہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ تمام لوگوں میں حکومت کی طرف سے مساویہ طور پر غلہ تقسیم ہوتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانۂ خلافت صرف ڈھائی برس ہے لیکن اتنی مختصر مدت میں ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ صدقہ لیتے تھے وہ صدقہ دینے کے قابل ہو گئے۔ لوگ اپنا مال لے کر ضرورت مندوں کو تلاش کرتے تو کوئی لینے والا نہ ملتا تھا۔ ان کے زمانے میں خوشحالی اس درجہ کو پہنچ گئی کہ عمال کو خوف ہوا کہ لوگ کہیں خدا کی نافرمانی اختیار نہ کریں۔ اس پر آپ نے عمال کو لکھا کہ اللہ نے اہل جنت کے جنت میں داخلے کے وقت پسند کیا ہے کہ وہ ''الحمدللہ'' کہیں۔ اس لیے تم بھی لوگوں کو خدا کے شکر کی ترغیب دو جو انہیں سرکشی سے باز رکھے گا۔

جیل خانوں کی اصلاح

آپؒ سے پہلے حکمران قیدیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے تھے۔ شبہ کی بنا پر لوگ گرفتار ہوتے اور انھیں تین تین سو کوڑے مارے جاتے۔ قیدیوں کی لاشیں بے گور وکفن چھوڑ دی جاتیں۔ آپؒ نے کوڑوں کی انتہائی مقدار 30 مقرر کی۔ قیدیوں کے لیے درج ذیل مراعات کا اعلان کیا۔

1- قیدیوں کو ایسی بھاری بیڑیاں نہ پہنائی جائیں کہ وہ نماز نہ پڑھ سکیں۔
2- بیمار قیدیوں کی خبر گیری کی جائے۔
3- جو لوگ قرض ادا نہ کرسکنے کے باعث پکڑے جائیں انھیں مجرموں سے الگ جیل میں رکھا جائے۔
4- عورتوں کو الگ قید کیا جائے۔
5- جیلر ایسا شخص ہو جو ایماندار ہو اور نہ رشوت لے۔
6- کوئی غریب الوطن قیدی مرجائے تو بیت المال سے اس کی تجہیز وتکفین کی جائے، اسے نماز جنازہ کے بعد دفن کیا جائے۔
7- جن قیدیوں کی اصلاح تادیب سے ہوسکے ان کو سزا دے کر رہا کردیا جائے۔
8- شبے میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کا جرم ثابت ہونے تک سزا نہ دی جائے۔

چند واقعات

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اشاعتِ اسلام کو اپنی زندگی کا اہم مقصد قرار دیا۔ آپ کی کوششوں سے بہت سے بادشاہوں اور بے شمار علاقوں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپؒ نے اپنی فوجوں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ اس وقت کسی سے جنگ نہ کرو جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دے لو۔

☆ اسی طرح احیائے شریعت کو بھی آپؒ نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا تھا۔ ایک بار فرمایا ''اگر خدا میرے گوشت کے ٹکڑوں کے ذریعہ ہر بدعت کو مردہ کرے اور یہاں تک کہ میری جان چلی جائے تو یہ خدا کے معاملے میں میرے لیے آسان ہوگا۔''

☆ خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ظریف الطبع لوگوں سے صحبت رکھتے تھے۔ لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اس قسم کے تمام احباب سے دوستی ختم کردی اور صرف نیک اور پرہیزگار لوگوں کو شریک صحبت کرتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک حکمرانوں کے ارباب صحبت میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں:

1- اگر حاکم انصاف کی راہ نہ پائے تو وہ اس کی راہنمائی کریں اور نیکی کے کاموں میں اس کی مدد کریں۔
2- جو لوگ حاکم تک اپنی فریاد نہ پہنچا سکیں وہ ان کی حاجت حاکم تک پہنچائیں۔
3- حاکم کے پاس کسی کی غیبت نہ کریں۔
4- امانت دار ہوں۔

☆ آپؒ اگر کبھی ذمیوں کے مہمان ہوتے اور وہ لوگ کھانے پینے کی اشیاء لاتے تو قیمت سے زیادہ معاوضہ دے کر ان چیزوں کو استعمال کرتے۔ اگر وہ معاوضہ نہ لیتے تو ان کے تحفے قبول نہ کرتے۔ جبکہ مسلمانوں کی کوئی چیز ہدیتاً بھی قبول نہ کرتے۔ کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تو ہدیہ قبول فرمالیتے تھے۔ آپؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے وہ ہدیہ تھا لیکن آپ ﷺ کے بعد حکمرانوں کے لیے یہ رشوت ہے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمر بھر ذاتی حیثیت سے کوئی مکان تعمیر نہیں کیا۔ فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کی سنت یہی ہے۔

☆ غذا نہایت معمولی کھاتے تھے۔ محمد بن زبیر الحنظلی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک بار روٹی کے ٹکڑے زیتون کے تیل کے ساتھ کھاتے دیکھا۔ ایک بار خادم نے روز روز دال کی شکایت کی تو آپؒ کی بیوی نے اسے جواب دیا کہ ''امیر المومنین کی غذا بھی یہی ہے۔'' آپؒ نے زمانہ خلافت میں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔

☆ آپؒ حد درجہ سادہ لباس پہنتے تھے۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک بار آپؒ نے ایسی قمیص پہنی ہوئی تھی جس کے دونوں شانوں کے درمیان پیوند لگا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ میں دیر سے پہنچنے کی وجہ یہ بتائی کہ لباس کے دھلنے کی وجہ سے دیر ہوگئی، کیونکہ اس کے سوا دوسرے کپڑے نہ تھے۔

☆ آپؒ کسی کی تکلیف کے بارے میں سنتے تو بے چین ہوجاتے۔ آپؒ کی رحم دلی انسانوں تک محدود نہ تھی بلکہ جانوروں کی تکلیف بھی آپ کو گوارا نہ تھی۔ جانوروں پر بوجھ لادنے کے بارے میں وزن کی مقدار متعین کردی اور حکم دیا کہ اس سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔

☆ ایک بار ان کی زوجہ محترمہ نے ڈاک کی سواری پر ایک آدمی کو بھیج کر دو دینار کا شہد منگوایا۔ آپؒ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس کو فروخت کر ڈالا اور قیمت بیت المال میں داخل کرا کر فرمایا مسلمانوں کے جانور (سرکاری

سواری) کو عمر کے لیے تکلیف نہیں دی جاسکتی۔

☆ ایک بار بیت المال کا مشک ان کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے ناک بند کرلی اور فرمایا کہ مشک خوشبو کے واسطے خریدا جاتا ہے اور میں سرکاری مال سے اتنا فائدہ بھی اُٹھانا نہیں چاہتا۔

☆ آپؒ رات کو خلافت کا کام بیت المال کا چراغ سامنے رکھ کر سرانجام دیتے تھے اور جب اپنا ذاتی کام کرتے یا کوئی ذاتی مہمان ملنے آجاتا تو اس چراغ کو اُٹھوا دیتے اور ذاتی چراغ استعمال کرتے۔

☆ ایک بار سرکاری کوئلے سے گرم کیا ہوا پانی وضو کے لیے آیا تو آپؒ نے وضو کرنے سے انکار کردیا۔

☆ ایک بار کھلی کچہری میں لوگوں کی حاجات سن رہے تھے۔ جب آپؒ کے قیلولے کا وقت ہوا تو اُٹھنے لگے۔ ایک سائل نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھا تو تیزی میں کاغذات کا پلندا آپؒ کی طرف پھینک دیا جو آپؒ کے چہرے سے ٹکرایا اور رخسار پر چوٹ لگ گئی۔ اس کے باوجود آپؒ بیٹھ گئے۔ نہایت خاموشی سے عرضی پڑھی اور اس کی حاجت کو پورا کیا۔

انتقال

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے منصفانہ اقدامات سے عوام الناس بہت خوش تھے، کیونکہ بنوامیہ نے غاصبانہ طور پر مسلمانوں کی جو جائدادیں اپنے قبضے میں لے رکھی تھیں وہ آپؒ نے نہایت سختی سے واپس کردیں۔ البتہ اس نے آپ کے تمام خاندان میں عام برہمی پھیلا دی جس نے آہستہ آہستہ ایک خطرناک سازش کی صورت اختیار کرلی اور آپ کو ایک غلام کے ذریعے ہزار دینار کے عوض زہر دلا دیا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو زہر دیئے جانے کا پتا چل گیا تھا۔ آپ نے اس غلام سے ہزار دینار لے کر بیت المال میں جمع کرائے اور اس سے کہا کہ وہ ایسی جگہ چلا جائے جہاں اُسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ آپؒ نے اس مرض الموت میں اپنا علاج کروانا پسند نہیں کیا۔ چنانچہ 20 دن بیمار رہ کر 35 رجب 101 ہجری بروز چہارشنبہ انتقال کیا، اور مقام وفات یعنی سمعان ہی میں دفن کیے گئے۔ آپ کی بیوی فاطمہ سے روایت ہے کہ آخری وقت یہ آیت بار بار تلاوت کرتے تھے: (ترجمہ) ”یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں نہ برتری چاہتے ہیں نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت صرف پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“ مرض الموت میں لوگوں نے مشورہ دیا کہ اگر آپ مدینہ میں جا کر وفات پاتے تو حضور ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دفن ہوتے۔ فرمایا اگر اللہ آگ کے سوا مجھے ہر قسم کا عذاب دے تو یہ مجھے اس کی نسبت پسند ہے کہ اللہ کو یہ معلوم ہو کہ میں خود کو رسول ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ سلیمان بن عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد یزید بن عبدالملک کو ولی عہد مقرر کیا تھا آپؒ نے اسی وصیت کو برقرار رکھا۔

عبدالرحمٰن بن قاسم محمد بن ابی بکر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وفات کے وقت گیارہ لڑکے چھوڑے۔ آپ کا کل ترکہ 15 دینار تھا جس میں 5 دینار سے ان کا کفن اور دو دینار سے قبر کی زمین خریدی گئی۔ اسی طرح ہشام بن عبدالملک بھی اپنے گیارہ لڑکوں کے لئے دس دس لاکھ ترکہ چھوڑ کر مرا تھا، لیکن ہشام نے ظلم و تعدی سے مال جمع کیا تھا جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انصاف اور نیکی راہ اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ کے مال میں برکت پیدا کردی۔ چنانچہ بعد میں ہشام کے ایک لڑکے کو صدقہ لیتے دیکھا گیا، اور ایک زمانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے لڑکے کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سو گھوڑے دیتے پایا گیا۔

موسیٰ بن اعین سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت میں بکریاں اور بھیڑیے ایک ساتھ چرتے تھے۔ لیکن ایک رات اچانک ایک بھیڑیے نے بکری پر حملہ کر دیا۔ میں نے کہا ضرور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہوگیا ہے اور واقعی آپؒ کا انتقال اسی رات ہوا تھا۔

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لیے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-5869501
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

بقیہ: کالم آف دی ویک

8- Just 50 Stories: دنیا بھر میں نسلی تعصب اور گورے کی نسلی برتری کے قائل رڈیارڈ کپلنگ کی کہانیوں کی کتاب ہے جس میں (معاذ اللہ) اللہ کو ایک عظیم جادوگر کہا گیا ہے، جس نے پہلے زمین بنائی پھر سمندر۔ یہ لیول ا میں پڑھائی جاتی ہے۔

9-Tales of King Arthur: یہ بادشاہ کی بیوی ملکہ Guenevere کے La Uncelot کے ساتھ ایک خفیہ عشق کی داستان ہے۔

اس کے علاوہ چند اور کہانیوں کی کتابیں یہ ہیں:

10- The Brave Little Taibr
11- Heros and Heroins
12- The Canterville Ghost
13- The Gifts and Other Stories
14- The Golden Goose and Other Stories
15- Great Expectations
16- A Mid Summer Night's Dream and other Stories

آپ ان ساری کی ساری کہانیوں کو اٹھا لیں، آپ کو ان میں ایک ایسا ماحول ملے گا، ایسی اخلاقیات ملیں گی، اس طرح کی طرز زندگی نظر آئے گی جس کا نہ ہماری زمین سے کوئی تعلق ہے نہ ہمارے آباء واجداد سے۔ نہ ہمارے مذہب سے کوئی رشتہ ہے اور نہ تصور دین ہے۔ یہ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، میتھس نہیں کہ ہم کہیں کہ ان کے بغیر ہماری ترقی نہیں ہوسکی۔ یہ وہ اخلاقیات ہیں جو ان کہانیوں کی صورت میں ہماری نسلیں پڑھ رہی ہیں۔ انہی کے کرداروں کے روپ میں خواب دیکھتی ہے۔ انہیں اپنی زندگیوں کا آئیڈیل بناتی ہیں۔ اس طرح کے ماحول اور ویسی طرز زندگی کو اپنے لیے رہنما تصور کرتی ہیں۔ ظلم یہ نہیں کہ ہماری نسلیں یہ کہانیاں پڑھ رہی ہیں۔ ظلم یہ ہے کہ وہ جس عمر میں پڑھ رہی ہیں اسی عمر میں انسان اپنی زندگی بھر کے ہیروز کے تصورات ذہن میں پختہ کرتا ہے۔ اس سے بڑا ظلم یہ کہ ہم یہ سب کچھ اپنے بچوں کے بہترین مستقبل کے لئے اپنی جمع پونجی قربان کر کے تحفے میں دے رہے ہیں اور عظیم ترین ظلم یہ کہ ہم نے ان کہانیوں کے مقابل اپنے بچوں کے لئے کوئی اخلاقی، مذہبی اور دینی کہانیاں جو سچ پر مبنی ہوں تخلیق ہی نہیں کیں۔ ہم کتنے ظالم ہیں۔

☆☆☆

محنت کش: اسلام کی نظر میں

یکم مئی کے حوالے سے خلافت فورم میں مذاکرہ

شرکاء: خورشید احمد (جنرل سیکرٹری پاکستان ورکرز کنفیڈریشن)، **مرزا ایوب بیگ** (ناظم نشرواشاعت تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد

سوال: یکم مئی پوری دُنیا میں مزدوروں کے عالمی دِن کے حوالے سے منایا جاتا ہے۔ اِس دن کی خاص اہمیت کیا ہے۔ ہمارے ناظرین کی یاد دہانی کے لیے آپ اسے اپنے الفاظ میں بیان فرمادیں؟

خورشید احمد: سب سے پہلے تو میں آپ کا اور تنظیم اسلامی کا انتہائی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اِس خاص دِن کے حوالے سے اپنے پروگرام میں نہ صرف شرکت کی دعوت دی بلکہ اظہارِ خیال کا موقع بھی فراہم کیا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ امریکہ میں سلطنتِ برطانیہ کا نوآبادیاتی نظام قائم تھا۔ بعد میں امریکہ نے اٹھارہویں صدی میں افریقہ سے لوگوں کو جوق در جوق غلام بنا کر اپنے ملک میں لانا شروع کیا۔ جب امریکہ میں صنعتی انقلاب برپا ہوا تو ان افریقی غلاموں سے جانوروں کی طرح کام لیا جانے لگا۔ کم اُجرت پر دن میں سولہ سولہ گھنٹے کام لیا جاتا تھا۔ انھیں کسی قسم کی ''سوشل پروٹیکشن'' حاصل تھی اور نہ وہ اپنے اُوپر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف اور جائز حقوق کے لیے ہی کسی قسم کی تنظیم سازی کر سکتے تھے۔ جب اِن افریقی غلاموں کو یہ احساس ہوا کہ ہمارے ساتھ جانوروں جیسا سلوک روا رکھا جا رہا ہے تو انھوں نے ایک لحاظ سے بغاوت کی اور امریکیوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ انسانوں والا سلوک روا رکھا جائے۔ ہمیں نہ صرف عزت واحترام دیا جائے بلکہ کام کے لیے اوقات کار یومیہ آٹھ گھنٹہ مقرر کیے جائیں۔ لہٰذا یکم مئی 1886ء کو امریکہ کے صنعتی شہر شکاگو میں ان مزدوروں نے ایک پُرامن احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اس پُرامن جلوس پر پولیس کی جانب سے گولیاں چلائی گئیں، جس کے نتیجہ میں اُن کے کچھ ساتھی ہلاک ہو گئے۔ آخر کار اِن مزدوروں کی قربانیاں رنگ لائیں اور نتیجتاً مزدوروں کا یومیہ آٹھ گھنٹے کام کرنے کا مطالبہ منظور ہوا۔ قصہ مختصر یہ کہ ان مزدوروں کی اجتماعی جدوجہد کے نتیجہ میں کامیابی حاصل ہوئی اور اب انھیں تمام دُنیا کے مزدور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ انہیں کے مطالبہ پر انٹرنیشنل آرگنائزیشن جو 1909ء میں قائم ہوئی جس کا اب پاکستان بھی رکن ہے، پہلا کنونشن مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لیے منعقد ہوا۔ اِس کنونشن میں یہ طے پایا کہ مزدوروں کے اوقات کار یومیہ آٹھ گھنٹے ہوں گے۔ پھر جب امریکہ کے بعد یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو مزدوروں نے حقوق کے لئے وہاں بھی جدوجہد کی اور ہراول دستہ کا کردار ادا کیا تھا۔

سوال: مزدوروں کی اس جدوجہد کا آغاز امریکہ کے شہر شکاگو سے ہوا تھا لیکن جب سوویت یونین میں انقلاب آیا جو امریکہ سے ہزاروں میل دور ہے تو وہاں کے لوگوں نے اپنی حکومت کے حوالے سے امریکہ کے شہر شکاگو میں ہونے والے اُس واقعہ کی بہت تشہیر کی۔ اُس کی کیا خاص وجہ تھی؟

ایوب بیگ مرزا: خورشید احمد صاحب نے بالکل درست فرمایا ہے کہ برطانیہ کا جو نوآبادیاتی نظام تھا اُس کے تحت مزدوروں کے کسی بھی ملک میں کوئی حقوق نہیں تھے۔ لیکن آپ یہ دیکھیں کہ یہ واقعہ امریکہ کے شہر شکاگو میں ہوا۔ یکم مئی کو جب مزدوروں نے ہڑتال کی اور جلوس نکالا تو یہ جلوس بالکل پُرامن تھا اور اُس روز کوئی پُرتشدد واقعہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن 3 مئی کو مزدوروں کی کال پر دوبارہ ہڑتال ہوئی اور جلوس نکالا گیا۔ مزدوروں کے اس پُرامن جلوس پر پولیس نے گولی چلا دی۔ یکم مئی والا جلوس پُرامن تھا اس میں کوئی ناخوشگوار واقع پیش نہیں آیا تھا مگر تین مئی والے جلوس پر گولی چلی پھر اُس کے اگلے روز یعنی چار مئی کو پھر مزدوروں کے پُرامن جلوس پر تین مئی والا واقعہ دوہرایا گیا اور ان نہتے مزدوروں پر پولیس کی جانب سے فائرنگ کی گئی مگر اس بار کسی نامعلوم آدمی نے پولیس پر بم پھینک دیا جس کے نتیجے میں پولیس کے کچھ لوگ ہلاک ہو گئے۔ اس پر ایک فساد برپا ہو گیا۔ اُس موقع پر مزدوروں کے ہاتھوں میں جو علامتی جھنڈے تھے وہ سفید رنگ کے تھے جو امن کی علامت ہے، مگر پولیس کی جانب سے گولی چلنے کے نتیجے میں مزدور زمین پر گرے، ان کے خون سے اُن جھنڈوں کا رنگ سُرخ ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے آج تک اس حوالے سے مزدوروں کے جھنڈے کا رنگ سرخ ہے جو آج تک اُس واقعہ کی یاد کو ان کے ذہنوں میں تروتازہ رکھتا ہے۔ 1886ء کے اس واقعہ کے ٹھیک تین سال بعد یعنی 1889ء کو پیرس میں پہلی انٹرنیشنل لیبر کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں یہ طے پایا کہ 1886ء کے اُس دردناک واقعہ کی یاد کو ہر سال منانا چاہیے۔ لہٰذا اس کے ایک سال بعد یعنی 1890ء کو یکم مئی مزدوروں کے عالمی دن کے حوالے سے منایا جائے گا، لیکن اگلے سال یکم مئی کو وہ دِن کسی وجہ سے نہیں منایا جا سکا۔ 1891ء میں دوسری انٹرنیشنل لیبر کانفرنس کے موقع پر یہ عہد کیا گیا کہ ہم حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ مزدوروں سے یومیہ آٹھ گھنٹے سے زیادہ کام نہیں لیا جائے گا۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں ابھی اس عہد کی پابندی نہیں شروع ہوئی تھی، لہٰذا 1894ء میں پھر مزدوروں کے حوالے سے پیرس میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ پھر ان ہنگاموں کے ٹھیک دس سال بعد یعنی 1904ء میں دنیا بھر کی تمام سوشلسٹ پارٹیوں کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ ابھی سوویت یونین میں سوشلسٹ انقلاب برپا نہیں ہوا تھا۔ اس اجلاس میں پُرزور طریقہ سے کہا گیا کہ مزدوروں سے یومیہ آٹھ گھنٹے سے زیادہ کام نہیں لینا چاہیے۔ اس اجلاس کے بعد پھر یہ دِن مختلف ممالک میں مختلف اوقات میں منایا جاتا رہا۔ اگرچہ امریکہ میں اِس دِن کے منانے کے حوالے سے کافی رکاوٹیں رہی ہیں اور شاید اب بھی امریکہ میں یہ اُس طرح سے نہیں منایا جاتا جیسا کہ پوری دُنیا میں منایا جاتا ہے۔ درحقیقت 1917ء میں جو بالشویک انقلاب آیا تھا اس کے پس پردہ کارل مارکس کے نظریات کارفرما تھے۔ کارل مارکس نے جب داس کیپٹل لکھی تھی تو یہ ایک نظریاتی اور علمی معاملہ تھا۔ اُس کی زندگی میں کسی بھی جگہ کوئی انقلاب نہ آ سکا۔ مگر کارل مارکس کے انتقال کے بعد 1917ء میں کمیونسٹوں نے اُس کے نظریہ کو لے کر سوویت یونین پر قبضہ کیا۔ اس انقلاب کو تاریخ میں مزدوروں کے راج کا نام دیا گیا۔ ان انقلابیوں نے کہا کہ ہم سرمایہ دار کا تختہ اُلٹ کر یہ انقلاب لائے ہیں۔

سوال: یکم مئی 1886ء سے لے کر آج تک تقریباً 126 سال کا طویل سفر بنتا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ مزدور اپنی جدوجہد کے نتیجے میں حقوق حاصل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں؟

خورشید احمد: اپنی بات کے آغاز سے پہلے میں یہ

کہوں گا کہ مرزا ایوب بیگ صاحب نے جو تاریخی جدوجہد کا مکمل حوالہ دیا ہے وہ بہت اہم ہے۔ آپ دیکھیے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں جو صنعتی انقلاب آیا ہے اُس نے لوگوں کا طرزِ زندگی مکمل طور پر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ لوگ زراعت سے نکل کر صنعت کے شعبہ میں پہنچے۔ اس طرح ٹیکنالوجی کا علم آیا۔ لوگوں نے دیہاتوں سے نکل کر شہروں کا رُخ کیا۔ اِن تمام ترقیوں اور سہولتوں کا سہرا اُنھی مزدوروں کو جاتا ہے جنہوں نے اپنا خون دے کر آئندہ آنے والوں کے لیے ہر طرح کی آسانیاں پیدا کیں۔ آج اُنھی قربانیوں کے سبب ہمارے آئین کے آرٹیکل 71-A میں یہ درج ہے کہ مزدوروں کو آزاد انجمن سازی کا مکمل حق حاصل ہوگا، تاکہ وہ جتھہ بندی کرسکیں کیونکہ اکیلا آدمی تو اپنی آواز حکومتی ایوانوں تک نہیں پہنچا سکتا۔ بقول علامہ اقبال ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

مزدور جب فیکٹریوں میں اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ قومی اور ملی سطح پر منظم ہو کر، رنگ نسل اور قوم کے تصورات سے بلند ہو کر سماجی انصاف کے حصول کے لیے اکٹھے جدوجہد کرتے ہیں۔ 1917ء میں سوویت یونین کے بالشویک انقلاب اور چین میں ماؤزے تنگ کی سربراہی میں آنے والے انقلاب سے یہ فائدہ ہوا کہ یورپ اور دوسرے ملکوں میں مزدور اکٹھے ہوئے اور لیبر پارٹیاں وجود میں آئیں، جس پر مزدور نے کہا ان کے حقوق کا تحفظ اسٹیٹ کی ذمہ داری ہوگی۔ اسلام بھی ایک مکمل ویلفیئر اسٹیٹ کی بات کرتا ہے جس میں بے روزگاری، بڑھاپا، بیماری وغیرہ کی صورت میں اسٹیٹ لوگوں کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اسی لیے آج ہم دیکھتے ہیں کئی ممالک میں لیبر پارٹیز کی حکومتیں ہیں، جس میں روزگار، تعلیم، بیماری وغیرہ کی ذمہ داری ریاست لیتی ہے۔ مزدوروں کی جدوجہد ابھی تک جاری و ساری ہے۔ اسی طرح تمام ممالک کے آئین میں مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے نہ صرف یہ درج ہے کہ تمام مزدوروں کو انجمن سازی کا جمہوری حق حاصل ہوگا بلکہ متحد ہونے کے بعد وہ اپنی حکومت کے ساتھ اجتماعی سودا بازی کا معاملہ بھی کرسکیں گے، تاکہ اپنے حالات کار بہتر بنا سکیں۔ یہی ہمارے ملک کے آئین کے آرٹیکل 17 میں بھی لکھا ہے اور کنونشن 87ء اور 98ء بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کنونشنوں کے مطابق اپنے لیبر قوانین مرتب کریں۔ عالمی سطح پر مزدوروں کی یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

سوال: یہ بتائیں کہ سوویت یونین یا مشرقی یورپ جہاں پر بھی سوشل ازم یا کمیونزم بطور نظام قائم ہوا ہے، آپ کیا سمجھتے ہیں کہ کیا وہاں پر مزدوروں کو حقوق ملے ہیں اور کیا وہاں مزدور راج قائم ہوسکا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: بات یہ ہے کہ یکم مئی 1886ء کو شکاگو میں ہونے والے اس واقعہ کو صحیح معنوں میں سوشلسٹ پارٹی کے اُن لوگوں نے اپنایا جو کارل مارکس سے متاثر تھے۔ مگر اس حوالے سے جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس سارے معاملے کو یورپ نے بڑی ہوشیاری سے ڈیل کیا یعنی جب 1917ء میں بالشویک انقلاب آیا تھا تو ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے ایک ملک فرانس کے صنعتی انقلاب کے فوراً بعد مغربی یورپ نے اپنے مزدوروں کو حقوق دینے شروع کر دیے تھے۔ اسی طرح انھوں نے وہاں پر سوشل سیکیورٹی اور پھر Old Age Benifit کا نظام قائم کیا۔ مزدوروں کو گھر انتہائی کم قیمتوں پر دینے کا عمل شروع کیا۔ یہ سارا معاملہ مغرب میں تو آ گیا مگر اس کے مقابلے میں سوویت یونین جہاں سے یہ انقلاب صحیح معنوں میں نکلا تھا انھوں نے مزدوروں کو حقوق دینے کے بجائے ایک قسم کا ریاستی کیپٹل ازم کا نظام قائم کر دیا۔ اب لوگوں کے بجائے ریاست خود Captalist بن گئی۔ جس کے نتیجہ میں جب دو سپر طاقتوں روس اور امریکہ کو دوسری جنگ عظیم میں کامیابی حاصل ہوئی اور انھوں نے دُنیا میں مختلف ملکوں کی بندر بانٹ کی تو مشرقی یورپ سوویت یونین میں ضم ہو گیا۔ لیکن حقوق کے سلسلے میں مغرب نے اپنے مزدوروں کو جو حقوق دیے ہیں اُن کی نسبت مشرق نے اپنے مزدوروں کو وہ کچھ نہیں دیا جس کا نعرہ لگایا گیا تھا۔ نتیجتاً جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ لہٰذا مشرقی یورپ میں کمیونزم آیا اور مغربی یورپ میں کیپٹل ازم آیا۔ کمیونزم کے نظام میں لوگوں کو کھانے پینے کو تو ملتا تھا مگر اس کے علاوہ تمام حقوق سے اُنھیں محروم رکھا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ یورپ نے بھی وہی اُصول کسی حد تک روا رکھے کہ مزدور طبقہ کو تمام بنیادی ضروریات فراہم کرو تاکہ یہ ہمارے خلاف احتجاج نہ کرسکیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ہماری برابری کرسکیں۔ یعنی یورپ نے بھی اپنے مزدور کو حدود میں رکھا۔ لیکن مشرق کے مقابلے میں مغرب میں مزدوروں کے معاملات کے حوالے سے کافی بہتری پائی جاتی ہے۔

سوال: پاکستان میں دو سال قبل مزدور کی ماہوار تنخواہ سات ہزار مقرر کی گئی۔ مگر موجودہ ملکی و صنعتی حالات میں جہاں بجلی، گیس پیٹرول کی انتہائی کمی ہے، اگر مزدور کو روزگار مل بھی جائے تو سات ہزار روپے میں اپنے کنبے کے ساتھ پورے مہینے گزارہ کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اس تمام صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بتایئے کہ کیا آئندہ آنے والے الیکشن میں ہمارا مزدور طبقہ موجودہ حکمرانوں کو جن کی وجہ سے اُن کی زندگیاں اس نہج پر پہنچی ہیں ووٹ دے گا یا پھر صورت حال اس کے برعکس ہوگی؟

خورشید احمد: آپ کے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں محترم ایوب بیگ صاحب نے جو تاریخی پس منظر بیان کیا ہے اُس میں کچھ اضافہ کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ سوویت یونین اور چین میں مزدوروں کے انقلاب کے بعد دُنیا کے سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ملکوں کو انھوں نے یہ باور کروایا کہ آپ لوگ مزدوروں کے ساتھ انسانوں کی طرح برتاؤ کریں اس ضمن میں اسلام کی تعلیمات پر نظر ڈالیں۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ: ''محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔'' آپ دیکھیئے کہ حضورﷺ کا یہ فرمان مزدوروں کے حوالے سے ہے، سرمایہ داروں کے حوالے سے نہیں۔ اسی طرح ایک مزدور آپؐ کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ بہت میلے تھے۔ آپؐ کے دریافت فرمانے پر اُس نے بتایا کہ وہ محنت مزدوری کرتا ہے۔ اس پر نبی کریمﷺ نے اُس کے ہاتھ چوم لیے۔ ہمیں یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اسلام کے علاوہ کوئی بھی نظام مکمل نظام حیات نہیں ہے۔ اسلام کے سوشل سیکیورٹی سسٹم میں ریاست ایک بچہ کی صحت، تعلیم اور روزگار کی ذمہ دار ہے۔ اگرچہ اس سسٹم کو مغرب نے اپنایا تو ہے لیکن اس میں بھی کافی قباحتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جب سے سوویت یونین ٹوٹا ہے اُس کے بعد سے دُنیا میں نیو لبرل ازم نافذ ہوا ہے کہ فری لیبر مارکیٹ کرو، دُنیا میں پرائیویٹائزیشن کا نظام قائم کرو۔ لہٰذا I.M.F اور ورلڈ بینک سے جو جمہوری ممالک قرضے لیتے تھے اُن پر انھوں نے یہ شرائط عائد کر دی کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگوں کی صحت تعلیم اور روزگار کا ہم ٹھیکہ لیں۔ لہٰذا اس طرح ریاست کی جانب سے اپنے لوگوں کی بنیادی ضروریات کے حوالے سے ذمہ داریاں کم ہونا شروع ہو گئیں۔ آپ دیکھیں کہ ہمارے اپنے ملک میں صرف دو فیصد تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ جس کی بدولت 92% بچے اسکول نہیں جاسکتے ہیں۔ لہٰذا نیو لبرل ازم جس میں I.M.F اور ورلڈ بینک شامل ہیں دراصل

سرمایہ دارانہ نظام ہی کی شکلیں ہیں۔ جس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس کی واضح مثال یورپ میں بیروزگاری کی بڑھتی ہوئی وہ تازہ لہر ہے جس کی بدولت پورے یورپ میں لاکھوں افراد سڑکوں پر نکل آئے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی، لوڈ شیڈنگ اور سب سے بڑھ کر ایسے بے ایمان اور کرپٹ حکمرانوں کی موجودگی میں مزدوروں کے حالات کا بہتر ہونا انتہائی مشکل نظر آتا ہے۔ دوسری طرف قرضوں کی مد میں ہمارا 90% فیصد سرمایہ سود کی شکل میں نکل جاتا ہے۔ لہٰذا ہم I.M.F اور ورلڈ بینک کے محتاج ہو چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمارے ملک میں بیروزگاری روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اب اِن سات ہزار روپوں میں مزدور کا گھر کا خرچہ چلانا تو بہت دور کی بات ہے، وہ گھر کا کرایہ بھی ادا نہیں کر سکتا ہے۔ اب یہ ہماری حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ملک میں ایسے حالات قائم کرے جس سے ملک صنعتی لحاظ سے ترقی کرے، تاکہ مزدوروں کا معیارِ زندگی بہتر ہو سکے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں تنخواہوں کے لحاظ سے انتہائی ظلم ہوتا ہے۔ دُنیا میں ہر جگہ تنخواہیں مہنگائی کے لحاظ سے بڑھتی ہیں جبکہ ہمارے ملک میں ایک شخص 3 لاکھ تنخواہ لے رہا ہے جبکہ دوسرا شخص سات ہزار تنخواہ لے رہا ہے۔ جبکہ اسلام کہتا ہے کہ عدل کرو چاہے معاملہ تمہارے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔ اس لحاظ سے ہمارے حکمران ظلم اور ناانصافی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہمارے ملک کے سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے مزدوروں کے حق میں آواز اُٹھائی تھی کہ ملک میں تنخواہیں مہنگائی کے تناسب سے بڑھنی چاہئیں۔ یہ معاملہ تقریباً دو سال چلا مگر بدقسمتی سے پھر اُن کی بات کو رد کر دیا گیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک بھوکا اور پریشان حال آدمی کام زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا ہے یا ایک خوشحال آدمی۔ ظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ اکثر فیکٹریاں سات ہزار روپے بھی اپنے ورکروں کو نہیں دے رہی ہیں۔ اسی طرح پرویز مشرف کے دور میں لیبر انسپکشن ٹیم کو معطل کر دیا گیا تھا۔ لیبر انسپکیشن ٹیم کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ چیک کرے کہ کہیں کوئی چائلڈ لیبر نہ ہو اور لوگوں سے آٹھ گھنٹے سے زائد کام نہ لیا جائے۔ اسی طرح حادثے وغیرہ کی صورت میں حکومت لیبر قوانین کا سختی سے نفاذ کروائے۔

سوال : جناب خورشید احمد صاحب! آپ ایک سرکاری ادارے واپڈا سے منسلک افراد کے حقوق کے لیے اُن کے نمائندے کی حیثیت سے جدوجہد کرتے ہیں۔ پرائیوٹ سیکٹر میں کام کرنے والے مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے آپ کی کیا Contribution ہے؟

خورشید احمد : ہماری کنفیڈریشن میں سرکاری اور پرائیویٹ سیکٹر دونوں شامل ہیں۔ ہم پرائیویٹ سیکٹر کے مزدوروں کے لیے بھی جدوجہد کر رہے ہیں، جس میں ٹیکسٹائل، کیمیکل اور انجینئرنگ وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح ہماری حکومت سے نہ صرف برابری کی سطح پر تنخواہ کے حوالے سے ہماری بات ہوئی ہے بلکہ پرائیویٹ سیکٹر میں خواتین کے اوقاتِ کار اور کسی بھی قسم کے امتیازی سلوک کے حوالے سے بھی بات ہوئی ہے۔ الیکشن کے حوالے سے ہمارے ہاں جو خاندانی پارٹیاں ہیں اگر وہ الیکشن وقت پر کروائیں اور ملک میں معاشی بہتری کے حالات آئیں تو اِس سے ملک میں مزدور کے حوالے سے بڑی مثبت تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔

سوال : ہمارے ملک میں پرائیوٹ سیکٹر کے فیکٹری مالکان لیبر ڈیپارٹمنٹ کے اہلکاروں کے ساتھ مل کر مزدوروں کا بہت استحصال کرتے ہیں۔ لیبر کورٹس میں بھی مزدورں کو انصاف خریدنا پڑتا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ مزدور اس طرح کے ظلم واستحصال سے کیسے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا : ہمارے ملک میں لیبر یونین مزدور کے معاشی تحفظ کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ لہٰذا یہ ہماری حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ لیبر کورٹ میں انصاف کے حصول میں نہ صرف آسانی پیدا کرے بلکہ وہ فیکٹری مالکان جو مزدوروں کے قوانین کا احترام نہیں کرتے ہیں اُن کی باز پُرس بھی کرے۔ میں آپ کے اس پروگرام کے توسط سے اُن فیکٹری مالکان سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے اپنے مزدوروں کا خیال رکھیں، کیونکہ ہمارے مزدور نہ صرف محبِّ وطن ہیں بکہ معاشرے کی تعمیر وترقی میں اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

سوال : کیا ہمارے ملک میں مختلف N.G.O's مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے مثبت کام سرانجام دے رہی ہیں؟

خورشید احمد: دیکھیے، میرا کوئی تعلق N.G.O سے تو نہیں ہے لیکن سوائے چند ایک N.G.O کے باقی تمام N.G.O's اپنے ذاتی مفادات کی خاطر مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے ڈھونگ رچا رہی ہیں۔ مثال کے طور پر Human Right Commision لوگوں کے مسائل کے ساتھ ساتھ مزدوروں کے حقوق پر بھی بہت آواز اُٹھاتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود مزدور کو صنعتی اور قومی سطح پر خود منظم ہونا پڑے گا اور اپنے اعتماد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہوگا۔

سوال : ہمارے ملک میں اکثر لوگ دینی جماعتوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی بات تو کرتی ہیں مگر وہ مزدور جو مہنگائی اور بے روزگاری کی چکی میں پس رہا ہے، اُس حوالے سے کوئی دینی جماعت آواز نہیں اُٹھاتی؟

ایوب بیگ مرزا : دیکھیے، تاریخ انسانی میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قبائل وجود میں آئے۔ پھر ریاستیں اور ریاستوں میں بادشاہتیں آئیں۔ لہٰذا اگر تو کوئی خوش قسمتی سے اچھا بادشاہ اقتدار میں آ جاتا تھا تو لوگوں کے لیے بہتری کا سامان ہو جاتا وگرنہ معاملہ اُس کے بالکل اُلٹ تھا۔ تاریخ میں فرعون، ہامان اور نمرود تو چند ایک ملتے ہیں، مگر معاملات کے حوالے سے تاریخ انسانی میں کئی فرعون ہامان اور نمرود ملتے ہیں جو نہ صرف مزدور طبقے کو بلکہ عام انسان کو بھی ظلم کی چکی میں پیستے رہے اور اُن کا استحصال کرتے رہے ہیں۔ اُٹھارھویں صدی میں جب فرانس میں انقلاب آیا تو سرمایہ داروں نے سمجھ لیا کہ اب مزدوروں کے حقوق کو دبانا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اُنھوں نے جمہوریت کے نام پر سرمایہ داری نظام کو تحفظ دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خالق کائنات کے نظام کے سوا کوئی بھی نظام خواہ وہ کمیونزم ہو، کیپٹلزم ہو یا سوشلزم مکمل اور پائیدار نہیں ہو سکتا کیونکہ انسانی فطرت کا یہ شروع دن سے مزاج رہا ہے کہ جب بھی کسی طبقہ کو موقع دیا گیا اُس نے صرف اپنے مفاد کا خیال کیا ہے۔ ایک حدیث پاک ہے کہ ''تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی صحیح معنوں میں اپنی تمام خلقت کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے آجر اور مزدور تمام برابر ہیں۔ یہ تمام انسانی نظام باطل ہیں۔ جب ان شاء اللہ اسلامی انقلاب ملک میں برپا ہوگا تو مزدور کے حالات بہتر ہوں گے۔ جس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ حدیث پاک ہے کہ تم جب بھی کھانا کھاؤ اپنے خادم کو اپنی پاس بٹھاؤ بلکہ اپنے ہاتھوں سے اُس کے منہ میں نوالہ ڈالو۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب نے اپنی کتاب ''اسلام کا معاشی نظام'' میں مکمل اسلامی نظام کے حوالے سے تمام باتیں کھول کر بیان کر دی ہیں کہ ایک معاشرہ اسلام کے بنیادی اُصولوں پر چل کر کیسے معاشی ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے۔

(مرتب: وسیم احمد، بدر الرحمٰن)

ہم کتنے ظالم ہیں!

اوریا مقبول جان

کیا کبھی کوئی سوچ سکتا ہے کہ ماں باپ جو اولاد کے لئے اپنی جان تک نچھاور کرنے کو تیار ہوتے ہیں، خود بھوکے رہ کر انہیں کھلاتے ہیں، اپنی تمام خواہشات کو پس پشت ڈال کر ان کے لئے آسائش اور آرام مہیا کرتے ہیں، گھر کی ہر قیمتی چیز ان کی تعلیم، صحت، شادی اور دیگر ضروریات کے لئے قربان کر دیتے ہیں۔ وہی والدین اپنا کل اثاثہ قربان کر کے ان کے لئے مہنگی ترین دکان سے خوشنما اور دیدہ زیب پیکٹوں میں خوبصورت ترغیبات اور بہترین میٹھے ذائقے والا زہر خریدیں اور پھر جیسے ہی ذرا بولنے اور سوچنے کے قابل ہو، اسے کھلانا شروع کر دیں اور اس کے برسر روزگار ہونے تک اسے کھلاتے رہیں۔ آپ بالکل یقین نہیں کریں گے۔ لیکن طویل عرصے سے ہم یہ میٹھا زہر اپنی ساری جمع پونجی خرچ کر کے اپنے بچوں کو کھلا رہے ہیں اور اس پر خوش اور شاداں بھی ہیں۔ اس زہر پر پلی ہوئی پہلی نسل اب جوان ہو کر ہمارے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی ہے اور وہ اسی زہر میں بجھے ہوئے تیروں جیسے سوال ہم سے کرتی ہے۔ ہماری زندگی، اخلاق، ماحول، مذہب، دین اور ہمارے تصورات کو دقیانوسی، فرسودہ اور عقل سے بے بہرہ قرار دیتی ہے اور ہمیں چودہ سو سال پرانے خوابوں میں زندہ رہنے والا بے وقوف سمجھتی ہے۔

ہم نے اپنی اس نسل کی تباہی پر خود دستخط کیے اور اب مزید اس پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ دنیا کی پانچ ہزار سالہ تحریر شدہ تاریخ میں کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں گزری جس نے کسی دوسرے کی زبان میں علم حاصل کیا ہو اور ترقی کی ہو۔ ہمیں گزشتہ 25 سال سے ایک سبق طوطے کی طرح پڑھایا گیا کہ انگریزی کی بغیر اب ترقی کرنا ممکن نہیں۔ لیکن یہ سوال کسی نے چھوٹے چھوٹے ملکوں سویڈن، ناروے، ڈنمارک، آسٹریلیا، ہالینڈ اور بڑے بڑے ملکوں چین، جاپان اور جرمنی سے نہیں پوچھا، جو اپنی زبانوں میں پی۔ ایچ۔ ڈی تک کرواتے ہیں۔ سنگاپور نے انگریزی میں تعلیم کا تجربہ کیا اور بیس سال بعد وہ اب سر پیٹ رہے ہیں کہ ان کے ہاں تخلیقی تحقیق (Creative Research) بالکل نہیں ہو رہی اور وہ بالکل نقال بندر بن کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے کہ آپ علم کسی دوسرے کی زبان میں حاصل کر سکتے ہیں لیکن تخلیق کے دروازے اپنی ہی زبان سے کھلتے ہیں۔ لیکن یہاں المیہ یہ نہیں کہ ہم نے انگریزی زبان میں بچوں کو تعلیم کیوں دلوائی۔ سائنس کے مضمون تو ہماری مجبوری تھی کہ ہمارے ملک کے پانچ لاکھ اساتذہ نے اپنی زبان میں ایک لاکھ کتب بھی ساٹھ سالوں میں ترجمہ نہ کیں۔ المیہ تو وہاں سے شروع ہوا جب ہم نے اپنی تباہی کے دوہرے پروانے پر دستخط کیے۔ ایک تو سائنسی تعلیم انگریزی میں دلوائی جس سے تخلیقی تحقیق کا دروازہ ہم پر بند ہو گیا اور دوسرا پورے کا پورا نصاب تعلیم ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ جو بچہ سکول میں داخل ہوتے ہی اللہ، اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات اور اپنے ماضی کے ہیروز کی کہانیاں پڑھ کر جوان ہوتا تھا۔ جس کی زندگی کے ہر قدم پر اخلاقیات کا درس اسے اپنے مشاہیر کی پاکیزہ زندگی سے ملتا تھا۔ جو والدین کے احترام سے لے کر زندگی کے شرم و حیا اور مہر و محبت کے اصول پڑھتا اور ان کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتا تھا۔ اب اس کے ہاتھ میں ان ہزاروں انگلش میڈیم سکولوں نے جو کتابیں تھما دی ہیں ان میں وہ تمام کہانیاں ہیں، وہ تمام قصے ہیں، وہ تمام اخلاقی اصول ہیں جن کے پڑھنے کے بعد انہیں اپنے ماحول، اس کی اقدار، روایات اور طرز زندگی سے بو آنے لگتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کسی اور دنیا کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ میں سکول کی لائبریریوں میں موجود کتابوں کی نہیں صرف کورس کی کتابوں کی بات کر رہا ہوں۔ ورنہ لائبریریاں تو ایسے زہر سے پٹی پڑی ہیں۔ یہ چند ایک کتب ہیں جو ہمارے بچے پڑھتے ہیں اور ہم فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے O اور A لیول میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

کالم آف دی ویک

1- A Christmas Carol: پوری کتاب کرسمس کے تہوار اور عقائد پر گھومتی ہے۔ جس بچے کو قرآن پڑھانے پر دہشت گردی کی تعلیم کہا جائے، وہاں اس کتاب کو صرف اس لیے پڑھایا جا رہا ہے کہ یہ بچے مغربی مذاہب سے خود کو علیحدہ محسوس نہ کریں اور غیر محسوس طریقے پر اس کا حصہ ہوں۔

2- The Golden Touch: یہ یونانی دیومالائی خداؤں کی داستانیں ہیں جو لیول II میں پڑھائی جاتی ہیں۔ جس بچے کو اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی سیرت پڑھنی چاہیے اسے وینس اور کیوپڈ جیسے دیوتاؤں کے معاشقے پڑھنے کو ملتے ہیں۔

3- King Solomon's Mines: یہ کہانی جنسی تعلقات اور جنسی ناہمواری کے انیسویں صدی کے تصورات پر لکھی گئی ہے اور اس میں مرد اور عورت کی تلاش کو اسی کے چھپے ہوئے ''جسمانی خزانوں'' کی جستجو بتایا گیا ہے اور خواتین کی جبلتوں اور مرد کی جسمانی ہیت کی مثالیں بیہودہ انداز میں دی گئی ہیں۔ یہ کتاب لیول IV میں پڑھائی جاتی ہے۔

4- The Emperor's New Clothes and other Stories: ان میں ایک لنگڑے سپاہی کی کہانی جو ایک ناچنے والی گڑیا کے عشق میں گرفتار ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ جو کپڑوں کے بغیر شہر کا دورہ کرتا ہے اور اگر کوئی والد یا والدہ "The Kiss" پڑھ لے تو حیرت میں ڈوب جائے۔

5- Treasure Island: یہ لیول I کی کتاب ہے۔ کہانی بحری قزاقوں پر ہے جو اپنے قوانین رکھتے ہیں، شراب کے نشے میں دھت رہتے ہیں اور اس شراب کی تلاش میں پاگل جہاز کا کپتان دیوانہ ہوا جاتا ہے۔

6- The Adventures of Sherlock Holmes: جاسوسی کہانیاں ہیں لیکن عشق و محبت کے رسیلے جذبات سے نچڑی ہوئیں۔ جو لوگ نسیم حجازی کی رزمیہ عشقیہ کہانوں پر اعتراض کرتے تھے، وہ یہ سب کچھ پڑھاتے ہیں۔

7- Around The World in Eighty Days: یہ لیول III کی کتاب ہے جس کا ایک کردار شرط لگاتا ہے اور دنیا گھومتا ہے۔ بچوں کے ذہن میں اس کے دلچسپ افسانے تو آتے ہیں لیکن اس کا ہیرو شراب بھی پیتا ہے اور جگہ جگہ محبت بھی کرتا ہے۔

بقیہ: صفحہ 11 پر

bring a certain degree of stability to the work that started in December 2010 in a visible manner although it had been going before that.

The old dictators are desperately trying to hang on to what is no more possible. They are unable to withstand the force which young men and women, who have seen a glimpse of joy, hope and, most of all, freedom, have brought to the fore. These men and women are no more content with the old suffocation. Time is on their side. Yet, in recognizing the long journey ahead, before a really new Middle East will emerge, one must remember that the per capita income of an average Middle Eastern is $1,200 per year, about one-tenth that of a European. These countries spend a staggering $60 billion every year on military equipment, with countries like Syria spending nearly 50 percent of their budget on arms. Economic cooperation is almost non-existent among the 23 Arab countries, which are members of the Arab League; even the existing rail lines between Saudi Arabia and Syria have not been used for tens of year; pipelines have also been out of use.

Thus, even to dream of a truly new Middle East is not an easy task. There are no shortcuts. Even after the ruling dictators have left, there will be a long way before the new generation of men and women can hope to see the flowering of buds on the trees. Yet, no matter how long the journey is, the first step already reduces it by one foot. (*Courtesy: daily "The News"*)

تنظیم اسلامی میرپور جاتلاں کے زیر اہتمام خصوصی پروگرام

تنظیم اسلامی میرپور جاتلاں کے زیر اہتمام 24 اپریل 2012ء کو بنگیال میرج ہال میں ''پاکستان کی بقا مگر کیسے؟'' کے موضوع پر ایک فکر انگیز نشست کا اہتمام کیا گیا۔ پروگرام کے مہمان خصوصی امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید تھے، جبکہ صدارت مفتی اعظم آزاد کشمیر مفتی محمد رویس خان نے فرمائی۔ علاوہ ازیں معروف کالم نگار اور دانشور اوریا مقبول جان کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ نشست کا آغاز بعد نماز مغرب پروفیسر عطاء الرحمٰن صدیقی کی تلاوت کلام پاک اور ترجمہ سے ہوا۔ جس کے بعد قاری محمد شعیب نے پرسوز لہجے میں نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی۔ بعدازاں ممتاز دانشور، کالم نگار جناب اوریا مقبول جان نے 'موجودہ نظام نے ہمیں کیا دیا؟' کے عنوان کے تحت پُراثر خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں دنیا بھر کے نظاموں کا تقابلی جائزہ پیش کیا اور اعداد و شمار کی مدد سے بتایا کہ رنگ و نسل، علاقہ، قومیت اور زبان و اقتصاد کی بنیاد پر قائم ہونے والے نظاموں نے دنیا کو تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں دیا ہے۔ یہ خوبی صرف اسلام میں ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا نظام دنیا میں جہاں جہاں پہنچا اسے تسلیم کرنے والوں نے اپنی مادری زبانیں ترک کر کے عربی زبان کو اپنا لیا اور اپنی صدیوں کی ثقافتیں ترک کر کے اور نبی کریم ﷺ کے غلاموں کی ثقافت اور کلچر اختیار کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ برصغیر پاک و ہند میں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ایک منظم سازش کے تحت اسلامی مدارس کے نصاب کو جدید علوم سے محروم رکھا گیا۔ جناب اوریا مقبول جان نے کہا کہ آج دنیا بھر میں سودی معاشی نظام اپنی موت آپ مر رہا ہے، لیکن اللہ کے نظام کے قیام کے وعدہ پر حاصل کیے گئے دنیا کے واحد ملک پاکستان میں سودی نظام کو تحفظ دیا جا رہا ہے۔ ہم من حیث القوم امریکہ اور سامراج کی بالادستی تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ ہمیں اجتماعی توبہ اور صدقِ دل سے رجوع الی اللہ کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ فرسودہ نظام نے ہمیں سوائے باہمی جنگ و جدل اور لوٹ کھسوٹ کے کچھ نہیں دیا اور جب تک ہم مملکت خداداد پاکستان میں اللہ کا نظام لانے پر کمربستہ نہیں ہوتے ہماری سلامتی اور بقا کو شدید خطرات لاحق رہیں گے۔ بعدازاں امیر تنظیم اسلامی نے تحریک پاکستان کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ چالاک ہندوؤں اور ان کے پشتیبان مکار انگریزوں کی تمام تر سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود مملکت پاکستان کا قیام ایک معجزے سے کم نہیں۔ بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم کے آخری ایام کے معالج ڈاکٹر ریاض شاہ نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ آخری دنوں میں بابائے قوم کے لبوں پر یہی الفاظ تھے کہ پاکستان کا قیام تائید غیبی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ جناب اوریا مقبول جان کی زبانی علامہ محمد اسد کو قائداعظم کی جانب سے مملکتِ خداداد میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے کا حکم دیئے جانے کی بات ہمارے لیے خوشگوار حیرت کا باعث ہے۔ دنیا بھر میں سودی نظام کے خاتمہ کی تحریک زوروں پر ہے مگر ہمارے ہاں اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف اس ظالمانہ نظام کو ختم کرنے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی جا رہی۔ امیر تنظیم نے کہا کہ پاکستان کی بقا صرف اور صرف نظام خلافت کے نفاذ کی ہی سے ممکن ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر ہم محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین سے وفا کریں گے تو اُس کی تائید و نصرت ہمارے شامل حال ہوگی۔ ہماری بقا و سلامتی کامل طور پر اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے میں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم توبہ کے ساتھ رب کی دھرتی پر رب کے نظام کے قیام کے لیے صدق دل سے تحریک چلائے۔ مفتی اعظم آزاد کشمیر مولانا محمد رویس خان ایوبی نے اپنے صدارتی خطبہ میں جناب اوریا مقبول جان اور امیر محترم کی گفتگو کو سراہتے ہوئے تنظیم اسلامی کو اس کامیاب فکری نشست کے انعقاد پر ہدیہ تبریک پیش کیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ آج کی نشست عصری ضرورتوں کے عین مطابق ہے۔ انہوں نے حاضرین کے انہماک کو بھی سراہا۔

حضرت علامہ اقبال کے کلام خصوصاً علامہ کی مشہور نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کے اشعار سے ہر سہ خطابات کو بڑی خوبصورتی سے مزین کیا گیا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض فیاض اختر میاں نے انجام دیئے۔ پروگرام میں شہر کے ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے احباب نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ خواتین کے لیے پردے کا علیحدہ اہتمام کیا گیا تھا۔ پروگرام میں گوجر خان اور جہلم سے بھی رفقاء و احباب شریک ہوئے۔ سٹیج سیکرٹری فیاض اختر میاں نے جملہ شرکاء کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ مفتی محمد رویس خان ایوبی کی دعا کے ساتھ اس نشست کا اختتام ہوا، جس کے بعد نماز عشاء با جماعت ادا کی گئی۔

(رپورٹ: اعظم گیلانی / غلام سلطان)

تنظیمی اطلاعات

☆ تنظیم اسلامی ملتان شمالی میں تقرر امیر کے لئے امیر حلقہ پنجاب جنوبی کی جانب سے موصولہ اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 19/اپریل 2012ء میں مشورہ کے بعد جناب شکیل اسلم کو مقامی تنظیم ملتان شمالی کا امیر مقرر فرمایا۔

☆ امیر حلقہ پنجاب جنوبی کی بیرون ملک روانگی کی بنا پر امیر محترم نے مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 19/اپریل 2012ء میں مشورہ کے بعد ان کی عدم موجودگی کے دوران جناب انجینئر عطاء اللہ کو قائم مقام امیر حلقہ پنجاب جنوبی مقرر فرمایا۔

Dr. Muzaffar Iqbal

THE NEW MIDDLE EAST

Another spring is in the air in many parts of the world. April, Eliot's "cruellest month", is almost over and with it the last patches of snow over the hills. The rejuvenation of earth at this time of the year inevitably inspires hearts, and hopes surge even when there is little on ground to support it. This is nature's most wonderful gift: sprouts on the trees have a direct relationship with the human heart and no matter how dark the ground realities are, one cannot help feeling a bit of hope.

Thus, the "New" in the title of this column is as much a metaphor as it is an adjective for the process which started in December 2010 in Tunisia --- then spread to Egypt, Libya and Yemen, where it unseated old dictators --- to Syria, where it is trying to do the same --- and to Bahrain, where it has been brutally crushed.

A starting date is helpful, but one cannot really pin down the working of the new forces in the Middle East to a date or locale; history is too complex, too intertwined to allow such neat commemorations. What is happening in the Middle East is a process which cannot be said to have begun on such and such a date, nor will it end with a spring or two; it is a massive and historical shift in the making, stirring and awakening people who have been asleep for at least three centuries. During these three centuries of their siesta, they have been brutally ruled by foreign and local dictators and agents of foreign powers, they have been so degraded and terrorized that, had it not been for their self-esteem and personal dignity, they would have fallen below the level of humanity.

I recall the face of a young Syrian who was visited by a secret agent on the second day of my arrival in Damascus six years ago. He was questioned about who I was and why was I staying in their house. "It was nothing," he repeated several times afterwards. "He just wanted to make sure that you were okay, you know what I mean, that we were not hosting some Al-Qaeda or such. It was nothing."

Yet, the man, who visited the residential neighbourhood late at night and had tea with the head of the family, had some secret power. His mere appearance was enough to send waves of terror throughout the whole household and he left with some money in his pocket; but no one wanted to talk about the fear he brought to their lives, no one wanted to acknowledge the presence of a fear that was so obvious to even a visitor like me.

Behind that fear were the memories of Hafez al-Assad's reign of terror, when thousands of Syrians were massacred and thousands simply disappeared. The numbers are huge: just in Hama, about 38,000 residents were slaughtered in February 1982, when the Syrian army put down a Muslim Brotherhood uprising by shelling the city. Numerous other examples exist of state terrorism, but no one was able to raise an audible voice against it.

The new Middle East is emerging from the ashes of this long, cold and harsh winter of state terror. Its immediate goal is to remove the dictators who belong to another era, but that is just the beginning. This beginning is being made by a generation that has never seen a true spring. These people have never known what freedom is; their children were born in that dark night of fear and hopelessness which has now thrust them out in a world dominated by complex international politics, UN brokers, regional powers vying for influence, and most importantly, into a sectarian divide that has rocked the old power structures in the entire Middle East.

The New Middle East is a work in progress and it is too complex a work to forecast any definitive outcome and timeframe. Just a look at what is happening in Egypt is instructive to understand that it will take at least a whole generation of dedicated men and women to